جلد ۴۲ | ۱۸ رجمادی الاول ۱۳۵۸ھ | ۲۸ جون / ۷ جولائی ۱۹۳۹ء بروز جمعہ | نمبر ۱۹ و ۲۰

اپنی نسبت کچھ

الحکم کا سیرت نمبر

۱۷ جون کو الحکم کا سیرت نمبر ۴۸ صفحات پر شائع ہوا جس چار صفحات ۴۰ پونڈ کے قیمتی آرٹ پیپر پر رنگین فوٹو بلاکز کے تھے۔ باقی ۴۴ صفحات پر نہایت قیمتی مضامین سیرۃ مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق شائع ہوئے سلسلہ کے اخبارات اور رسالہ جات یعنی الفضل فاروق۔ ریویو آف ریلیجنز نے اس نمبر پر بہترین ریویو لکھکر میری حوصلہ افزائی کی۔

باہر سے بھی پڑھنے والوں کے خطوط حوصلہ افزا آئے۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے بذریعہ تار میری عزت افزائی کی۔ مجھے ان سب باتوں سے خوشی ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ ایک رنج و غم کی کسک بھی میرے دل میں اٹھتی رہی اور اب تک اُٹھ رہی ہے۔ اور وہ کسک یہ تھی۔ کہ گذشتہ سال ہندو اخبارات نے سری کرشن جی مہاراج کی یاد میں کرشن نمبر شائع کئے۔ جن کے پڑھنے والوں کی تعداد کسی طرح ایک ۱۰۰۰۰۰ لاکھ سے کم نہ تھی۔ اور اس سال پھر وہ کرشن نمبر کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور ان کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ اس سال انکی اشاعت دو ۲۰۰۰۰۰ لاکھ تک پہنچا کر چھوڑیں گے۔

مجھے اس امر کا رنج نہیں کہ کرشن نمبر کی اشاعت اتنی کیوں ہوئی کیونکہ میں خود بھی انکی ایسی عزت کرتا ہوں جیسے کوئی اور۔ مگر مجھے اس امر کا رنج ہے کہ وہ انسان جو سارے نبیوں کے نوروں کو اپنے اندر جمع کر کے دنیا میں مبعوث ہوا۔ جو کرشن جی کی سچائی اور بدھ جی کے نور اور حضرت موسیٰ اور عیسےٰ اور تمام نبیوں کی برکات کا جامع تھا۔ اس کی قوم میں اس کے نام پر فدا ہونے والے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ مگر کسی کو اتنا بھی خیال پیدا نہ ہوا۔ کہ اپنے محبوب کے ذکر کی ایک ہزار کاپی ہی خرید کر تقسیم کر دیتا۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ بلکہ سینکڑوں آدمیوں نے مل کر بھی اس قسم کی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ اور ہمارا یہ نمبر چند ہزار تو کیا ایک ہزار بھی تقسیم نہ ہوا۔ اب بھی اس کی دو سو کے قریب کاپی پڑی ہوئی ہے۔ کاش کوئی دردمند اُٹھے اور اس قلیل المقدار تعداد کو مفت تقسیم کرانے کا انتظام کر دے۔

اور اگر ایک آدمی اس بوجھ کو اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ تو کاش مختلف جماعتیں دس دس نسخے منگوا کر ان پرچوں کو تقسیم کر دیں۔ اور اگر نہ یہ ہو اور نہ وہ ہو۔ تو پھر ہم میں سے ہر ایک اپنے عشق و محبت کے دعوے پر نظر ثانی کرے ؎

الحکم کے وی پی بھیج رہا ہوں۔ احباب انہیں وصول فرما کر ممنون فرماویں۔

الحکم کا یہ نمبر ایک ماہ کے بعد نکل رہا ہے۔

الحکم کا یہ نمبر بھی ایک ماہ کے وقفے کے بعد نکلا ہے۔ اس کی وجہ قطعاً میری کوتاہی نہیں ہے۔ میں اگلے نمبر میں الحکم کی مکمل حالت لکھکر شائع کر دینی چاہتا ہوں۔ اور الحکم کے متعلق اگر کسی کے دل میں درد ہو تو اس دردمند سے دریافت کروں گا۔ کہ ان حالات میں کیا الحکم جاری رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور میں ان لوگوں سے جو چاہتے ہیں کہ سلسلہ کا ایک پرانا اخبار جاری رہے ایک اپیل کروں گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی میری کسی نے نہ سنی۔ تو میں اس سال کے جوبلی نمبر تک ہر حالت میں اس سلسلہ کو جاری رکھوں گا۔ اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہ وقت خود بتلا دے گا ——
اگلے نمبر کا انتظار کیجئے۔

میری خوشدامن کی وفات

۲۳۔ جون کی رات کے ۹ بجے میری خوشدامن نواب بیگم صاحبہ جو بابو فیروز علی صاحب مرحوم و مغفور کی بیوی تھیں فوت ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احباب ان کے لئے دعائے مغفرت فرماویں۔ ان کی زندگی کا مختصر تذکرہ کسی آئندہ نمبر میں شائع کر سکونگا۔

محمود احمد عرفانی

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر۔ پبلشر و پرنٹر چھپکر دفتر الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا۔

خلافت ثانیہ کی قبولیت بذریعہ رؤیائے صادقہ

بقلم ڈاکٹر شیخ فیض علی صاحب صابر

میاں نظام الدین صاحب مرحوم جلد ساز بازار مائی سیواں امرتسر جو بہت ہی نیک سیرت اور باکمال بزرگ تھے۔ نہ صرف میرے بلکہ میرے والد مرحوم مولوی عبد الغنی صاحب نو مسلم کے بھی مربی تھے۔ ان کے ایک فرزند میاں قادر بخش صاحب اب تک اپنے والد مغفور والی دکان پر کتب فروشی اور جلد سازی کرتے ہیں تین ایک سال ہوئے جبکہ مجھے تقریباً ۴۵ سال کے بعد ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ تو یہ محسوس کر کے کہ ان کے خیالات مخالفین سلسلہ عالیہ احمدیہ احرار اور زمیندار سے ہم آہنگ ہیں، طبعاً افسوس ہوا تھا۔ لیکن بحمد اللہ جب میں عرصہ ایک ڈیڑھ سال کے بعد دوبارہ ان کو ملا۔ تو وہ نہایت خوش خلقی سے پیش آئے۔ اور انہوں نے مجھے اپنا ایک پرانا واقعہ اور تازہ خواب سنایا۔

کہا کہ اوائل میں جب حضرت مرزا صاحب ریاض ہند پریس امرتسر میں اپنی تصانیف چھپوانے آیا کرتے تھے۔ میں ان دنوں اس پریس میں ملازم تھا۔ اور جس دن آپ کا لیکچر منڈوہ کنہیا لال امرتسر میں ہوا تھا۔ اور رمضان میں چاند کے عذر پر مخالفین نے اودھم مچا دیا تھا ۔۔ امرتسری غنڈے فساد پر اتر آئے تھے۔ احباب نے حضورؑ کو حفاظت کے لئے حلقہ میں لے لیا تھا۔ میں بھی حضور کے بچانے والوں میں تھا۔ اس وقت کسی بدمعاش نے ایک ایسی لدر کی اینٹ پھینکی۔ کہ اگر وہ میری گدی لگ کر رک نہ جاتی، تو حضور کو سخت چوٹ آتی۔ اس اینٹ سے میرے سر میں زخم ہو کر اتنا خون جاری ہوا تھا۔ کہ میرے کپڑے بھر گئے تھے۔ چنانچہ اس زخم کا نشان اب تک موجود ہے۔ میں نوجوان تھا۔ میں نے گرتے ہی زخم کو باندھ لیا تھا۔ لیکن مجھے ڈر تھا۔ کہ گھر جاؤں گا، تو والد صاحب ناراض ہونگے۔ مگر جیسا کہ حضرت والد صاحب کو بسا اوقات غیب کے نظارے ہو جاتے تھے، میں ابھی گھر کی سیڑھیوں میں چڑھ رہا تھا کہ حضرت والد صاحب نے پکار کر فرمایا کہ شاباش بیٹا تو نے بہت اچھا کام کیا ہے، جو ایک خدا کے بندے کی مدد کی ہے۔ خیر یہ ایک واقعہ بچپن کا تھا اور میں اس کو بھول بھی گیا تھا۔ کہ اب چند یوم ہوئے حضرت مرزا صاحب نے مجھے خواب میں فرمایا ہے۔ کہ قادر بخش ہمیں تمہارا احسان یاد ہے۔ ہم انتظار میں رہے، مگر تم قادیان نہیں آئے۔ اب تم قادیان میں ضرور جاؤ۔ اور ہمارا سلام ہمارے فرزند میاں محمود احمدؑ کو اور اس کی والدہ کو پہنچاؤ۔ چنانچہ اس وقت میاں قادر بخش صاحب نے مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا۔ کہ میں قادیان میں آکر اس فرض پیغام رسانی کو انشاء اللہ ضرور ادا کروں گا۔

اب عرصہ قریباً ایک ماہ کا ہوا ہے۔ کہ میاں قادر بخش صاحب موصوف قادیان میں آئے تھے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ انکو پھر خواب میں حضرت مرزا صاحب کی زیارت ہوئی۔ اور حضور نے فرمایا ہے۔ کہ تم نے اب تک قادیان میں جاکر ہمارا پیغام کیوں نہیں پہنچایا لیکن اس مرتبہ ایک اور صاحب بھی حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تھے جن کے نقش کچھ بھارے تھے۔ میرے دریافت کرنے پر کہ یہ کون صاحب ہیں حضور نے نے فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے۔ جس کو چھ ہزار حدیثیں یاد ہیں۔

میاں قادر بخش صاحب نے جو حلیہ اس بزرگ کا بتایا تھا۔ جن کو انہوں نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دیکھا تھا۔ مجھے احساس ہوا تھا۔ کہ غالباً یہ بزرگ حضرت حکیم الامۃ نور الدین اعظم خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہی ہوں گے۔ چنانچہ میں دو فوٹو گھر سے لے آیا۔ جس میں حضرت مسیح موعودؑ۔ خلیفۃ المسیح اولؓ، خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ اور ان کے دونوں برادر صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؐ صاحب ایم۔ اے۔ و صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سلمہما اللہ کی تصاویر ہیں۔ میاں قادر بخش نے دور ہی سے دیکھکر حضرت خلیفۃ المسیح اول رحمۃ اللہ علیہ کو پہچان لیا۔ اور کہا کہ یہی وہ بزرگ ہیں جو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تھے۔ جن کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ ان کو چھ ہزار حدیثیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یاد ہیں۔

اخی المکرم میاں قادر بخش صاحب نے پیغام مذکور کو بحضور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز پہنچا دیا تھا۔ چونکہ یہ مختصر پیغام مشتمل بر رموز و معارف اعجازی کلام اہل عظام و انبیاء کرام ہے۔ جو ہر ایک صاحب بصیرت کے واسطے موجب ترقی ایمان و ہدایت کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے بغرض اشاعت ارسال خدمت ہے۔

خاکسار فیض علی صابر

(تصحیح الرّوایات)

سیرت مسیح موعود نمبر کی ایک روایت کی درستی

بر پرچہ الحکم ۱۴ تا ۲۱ مئی جلد ۴۲ (سیرت مسیح موعود نمبر) میں جو مضمون صفحہ ۲۱ پر زیر عنوان "آہ دنیا کسے کاذب قرار دیتی ہے"۔ مکرمی خواجہ خورشید احمد صاحب مجاہد سیالکوٹی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے چند واقعات سے متاثر ہو کر رقم فرمایا ہے۔ اس میں صاحب ممدوح نے ایک واقعہ صفحہ مذکور کے کالم ۳ کے وسط میں خاکسار سے سنکر بھی تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ وہ واقعہ بلا تفصیل روایت تحریر ہوا ہے۔ اور بعض الفاظ میں بھی کسی قدر تفاوت یا کمی ہو گئی ہے۔ گو نفس مضمون کے لحاظ سے ایسا فرق نہیں ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس تفاوت کی تصحیح کر دوں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹی مرحوم جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چیدہ اور ممتاز صحابہ میں سے تھے۔ اور جن کا نام نامی ۳۱۳ صحابہ میں بھی درج ہے۔ وہ میرے ننھیال میں سے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور چونکہ خاکسار کو احمدیت انکی ہی تبلیغ سے نصیب ہوئی۔ اس لئے وہ میرے بڑے محسن بھی تھے۔ انکی بڑی لڑکی امۃ الرحمٰن صاحبہ جو کہ قاضی عبد الرحیم صاحب اور قاضی محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ اور آجکل بصورت ہجرت دار الامان میں مقیم ہیں۔ انکو اپنے والد صاحب بزرگوار کی زندگی میں اور انکی وفات کے بعد بھی بہت عرصہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں رہنے کا موقعہ ملتا رہا۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین ادام اللہ ظلہا گھر میں بے تکلفانہ طور پر یوں ہی ایک پرزہ کاغذ لیکر اس پر آنکھیں بند کر کے لکھ رہے تھے۔ کہ آیا اس طور پر ٹھیک لکھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب وہ پرزہ کاغذ ردی کے طور پر پھینک دیا گیا۔ تو امۃ الرحمٰن صاحبہ نے وہ کاغذ اٹھا لیا۔ اور پھر بطور تبرک کے وہ کاغذ مجھے ملا۔ جسکو میں نے بہت عرصہ تک محفوظ رکھا۔ لیکن افسوس کہ اب وہ کاغذ کہیں پس و پیش ہو گیا ہے۔ اور کچھ یاد نہیں رہا۔ کہ آیا کسی جگہ پڑا ہے۔ یا کوئی اور شائق اسکو لے گیا ہے۔ بہر حال مجھے یہ واقعہ اور اس کاغذ کی عبارت خوب یاد ہے۔ اُس کاغذ پر حضرت ام المومنین ایدہا اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دست مبارک سے یہ عبارت مختلف مقامات پر لکھی ہوئی تھی (۱) **"محمود میرا پیارا بیٹا ہے۔ کوئی اسے کچھ نہ کہے۔"** (۲) **"مبارک احمد بسکٹ مانگتا ہے۔"** اور ایک جگہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے اسی حالت میں لکھی ہوئی یہ عبارت تھی۔ **"انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اور ہر وقت اس کے حضور دعا کرتا رہے۔"**

طرز تحریر کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت ام المومنین کے تحریر کردہ الفاظ کی ترتیب اور سطر بندی درست نہیں رہی ہوئی تھی۔ ہاں پڑھا بخوبی جاتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط چونکہ پختہ تھا۔ اس لئے باوجود آنکھ بند کر کے لکھنے کے بھی الفاظ واضح اور سطر بندی عام طرز تحریر کے قریب قریب تھی۔ قلم لوہے کا اور سیاہی انگریزی تھی۔

باقی صٹ پر کالم ۳

مَیں احمدی کس طرح ہُوا

محترمی ماسٹر اللہ داد صاحب ریٹائرڈ مدرس کے قلم سے

غالباً ۱۸۹۴ء کا واقعہ ہے۔ کہ میں جماعت سوم یا چہارم میں پرائمری سکول بھیکھو چک تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور جو ہمارے گاؤں سے قریباً آدھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا پڑھا کرتا تھا۔ چونکہ ان دنوں سکول ہذا کی نئی عمارت بن رہی تھی۔ اس لئے سکول عارضی طور پر مسمی شرف الدین باشندہ کے گھر میں منتقل ہو گیا۔ سکول ان دنوں میں عموماً صبح سے شام تک لگا کرتے تھے۔ دوپہر کے بعد کا واقعہ ہے تاریخ یاد نہیں سورج یکدم بے نور ہو گیا۔ اتنا اندھیرا کہ اپنا ہاتھ بھی مشکل سے دکھائی دیتا تھا۔ میرے استاد مولوی حیات علی صاحب مرحوم نے (خدا ان کی مغفرت کرے) جو اس وقت سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے حکم دیا کہ لمپ روشن کر دو۔ غالباً لمپ تو ان دنوں میں ہوتے نہ تھے۔ روشنی کے لئے دیئے جلائے گئے۔ مدت تک اندھیرا رہا معلوم ہوا کہ سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ اور ایسا گرہن جو پہلے کبھی مشاہدہ میں نہ آیا تھا۔ گاؤں میں عام شور مچ گیا۔ کہ بس امام مہدی آگیا۔ لڑکے ایک دوسرے سے گناہ بخشواتے تھے۔ اس لئے کہ سب نے اپنے والدین سے سُن رکھا کہ امام مہدی کے آنے کے بعد قیامت آجائے گی۔ مدت تک یہ چرچا رہا۔ میں نے ۱۸۹۵ء میں اسی سکول سے جماعت پنجم کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد شکر گڑھ ورنیکلر مڈل سکول میں داخل ہو گیا۔ ۱۸۹۹ء میں مڈل کا امتحان دیا۔ جس میں مَیں کامیاب ہو گیا۔ ۵ مارچ ۱۹۰۰ء کو میں اسی مڈل سکول میں نائب مدرس مقرر ہو گیا۔ غالباً ۱۹۰۱ء میں میری تبدیلی شکر گڑھ مڈل سکول سے وڈالہ بانگر تحصیل و ضلع گورداسپور میں ہو گئی۔ وہاں پر شیخ محمد عبداللہ صاحب دکاندار سے تعارف ہو گیا۔ انہوں نے کمال شفقت سے مجھے رہائش کے لئے اپنی دکان کے پہلو میں ایک دوکان کرایہ پر لے دی۔ میں احمدیت کے نام سے قطعاً واقف نہ تھا۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب موصوف اکثر اپنی دوکان پر کتابیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ میں بھی چونکہ پاس ہی رہتا تھا۔ اس لئے میں بھی اس درس و تدریس میں شامل ہو جایا کرتا۔ چونکہ ان کتابوں میں اکثر مرزا صاحب کا نام آیا کرتا۔ میں ان سے وقتاً فوقتاً مرزا صاحب کے حالات اور اُن کے دعاوی سے واقفیت حاصل کرتا رہتا۔ چونکہ مجھے دینی باتیں سننے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے چند دنوں کے بعد مجھ پر مرزا صاحب کے دعوے کے متعلق انشراح صدر ہو گیا۔ میں نے شیخ صاحب موصوف سے عرض کیا۔ کہ آپ میری بیعت کا خط حضورؑ کی خدمت میں لکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے کمال شفقت سے میری بیعت کا خط حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھدیا۔ تاریخ محفوظ نہیں۔ دو تین دن کے بعد جواب آگیا۔ کہ آپ کا خط حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ حضورؑ نے آپ کی بیعت منظور فرمالی ہے۔ اور دعا کی ہے۔ بدقسمتی سے وہ خط محفوظ نہیں رہا گم ہو گیا۔ اس کے بعد قریباً دو یا ڈیڑھ سال تک میں وہاں پر نائب مدرس رہا۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب موصوف خدا ان کو غریق رحمت کرے۔ میرے ساتھ کمال شفقت اور اُنس سے پیش آیا کرتے۔ اور ہر مشکل کے وقت میری دستگیری فرمایا کرتے۔ ۱۹۰۳ء میں میری تبدیلی وہاں سے بہرام پور تحصیل و ضلع گورداسپور میں ہو گئی۔ وہاں سے مجھے ۱۹۰۳ء میں افسران محکمہ تعلیم گورداسپور نے حصول تعلیم کے لئے نارمل سکول جالندھر بھیج دیا۔ مئی ۱۹۰۴ء میں مَیں فارغ التحصیل ہو کر واپس آگیا۔ آتے ہی ۹۔ مئی ۱۹۰۴ء کو مجھے بھیکھو چک پرائمری سکول میں بطور نائب مدرس لگایا گیا۔ وہاں سے جیمیہ کھڈی تحصیل بٹالہ۔ جیمیہ کھڈی سے کنجروڑ مڈل سکول تحصیل شکر گڑھ۔ وہاں سے دینانگر تحصیل گورداسپور میں تبدیل کیا گیا۔ وہاں پر مولوی اللہ دتا صاحب کفش دوز رہا کرتے تھے ان کی دکان پر میں اکثر بیٹھا کرتا۔ اور ان کے نام اخبار الحکم جایا کرتا تھا۔ میں اخبار الحکم پڑھا کرتا۔ وہاں پر مسجد جامع دینانگر میں اکثر نماز کے لئے جایا کرتا۔ مولوی عبدالعزیز صاحب اس مسجد کے امام تھے۔ اور وہ مولوی عبدالحق صاحب ایڈیٹر اخبار اہلسنت والجماعت کے والد تھے۔ اور کٹر وہابی تھے۔ اور احمدیت کے سخت مخالف تھے۔ اکثر میرے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ رکھتے میں اپنے علم اور واقفیت کی بنا پر ان کو جواب دیا کرتا۔ وہ اکثر مطمئن نہ ہوتے تھے۔ بے اطمینانی کی حالت میں وہ مجھے گالیاں نکالتے اور بُرا بھلا کہتے۔ اور ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بے نقط صلواتیں سنایا کرتے تھے۔ میں اپنے جی میں ہی اکثر کڑھا کرتا۔ کیونکہ غریب الوطن تھا چپ ہی رہتا۔ اس کے بعد میں نے اس مسجد میں جانا چھوڑ دیا۔ اور ہم دونوں (مولوی اللہ دتا صاحب کفش دوز مرحوم اور خاکسار) ان کی دکان پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن مجھے مولوی عبدالعزیز صاحب مذکور نے ایسا تنگ کیا۔ کہ میں بے بس ہو کر اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں زور سے گڑگڑایا۔ اور دعا کی۔ کہ اے میرے مولیٰ مجھے مرزا صاحب کے دعوےٰ میں شک تو کوئی نہیں لیکن میں اس مولوی کے تنگ کرنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اور زیادہ وضاحت چاہتا ہوں۔ نماز عشاء کے بعد اکثر میں یہ دعا کیا کرتا۔ ایک دن میں یہی دعا کر کے سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں اور میرے ساتھ ایک اور ساتھی (جو غالباً میرا چھوٹا بھائی محمد مولاداد ہوگا) دونوں ایک راستے پر مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ راستہ ختم ہونے پر ایک قصبہ یا گاؤں آیا۔ جس کا ایک بازار راستے کے اختتام پر شروع ہوتا ہے۔ اور مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اس بازار کے اختتام پر ایک چھوٹا سا چوک ہے۔ چوک میں دائیں طرف ہندوؤں کا ایک شوالہ اور بائیں طرف ایک کنواں ہے۔ کنوئیں پر پیپل یا بڑ کا ایک درخت ہے۔ کنوئیں اور شوالہ کے درمیان سے گذر کر ایک گلی جو مشرق کی جا رہی ہے گذر رہے ہیں۔ چند قدم کے فاصلہ پر دائیں طرف اونچی جگہ پر ایک مسجد دکھائی دی۔ جس کی سیڑھیاں شمال کی طرف گلی میں اترتی ہیں۔ خواب میں ہی مَیں اپنے ساتھی سے کہتا ہوں۔ کہ آپ یہاں ٹھہریں۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر ذرا مسجد دیکھ لوں۔ چنانچہ میں سیڑھیاں چڑھکر دروازہ میں جا کھڑا ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک بزرگ میز کرسی لگائے تقریر فرما رہے ہیں۔ ان بزرگ صاحب کے دائیں طرف نزدیک ہی ایک اور بزرگ اُسی طرح کی میز کرسی لگائے چپ چاپ تشریف فرما ہیں۔ مسجد آدمیوں سے بھری ہوئی ہے۔ پہلے بزرگ تقریر فرماتے ہوئے میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ بیٹا دروازے میں کھڑے نہ ہو۔ یہاں آگے آکر بیٹھو۔ میں نے عرض کیا حضور میں حُقّہ پیتا ہوں اور حضور کو اس سے نفرت ہے۔ اس لئے میں آگے نہیں آسکتا۔ انہوں نے کمال شفقت سے فرمایا۔ نہیں حُقّہ حضوری میں روک نہیں۔ میں ان کے اس ارشاد کے ماتحت آگے جا کر ان کی میز کے سامنے بالکل نزدیک بیٹھ گیا۔ چنانچہ میں نے خواب میں ہی اُن بزرگ کے چہرہ کی طرف تکنا شروع کیا۔ مجھے بیٹھے ہوئے چند منٹ ہی گذرے تھے۔ کہ میں نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ بزرگ جو تقریر فرما رہے ہیں کون ہیں۔ اور ان کے دائیں طرف جو بزرگ ہیں وہ کون ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم بھی عجیب بے خبر لڑکے معلوم ہوتے ہو۔ جس کو ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں۔ کہ یہ ہر دو بزرگ کون ہیں۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر انہوں نے جن سے میں پوچھ رہا تھا کہا کہ یہ تمہارے سامنے کے بزرگ جو تقریر فرما رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود امام مہدی ہیں۔ اور ان کی دائیں طرف کے بزرگ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس خوشخبری کے سنتے ہی میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ بار باران دونوں بزرگوں کے چہروں کو دیکھتا اور خوش ہوتا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ضعیف العمر آدمی سے عرض کیا۔ کہ میں نے حضرت مسیح موعود اور حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کتابوں میں پڑھا ہوا ہے۔ میں ابھی دیکھتا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی ایک کتاب میرے سامنے آگئی جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے کتاب کو کھولا۔ اتفاق سے وہی مقام نکل آیا۔ جس میں دونوں بزرگوں کے حلیے درج تھے۔ چنانچہ ایک نظر کتاب پر اور ایک ان کے چہروں پر کرتا۔ عین کتاب کے مطابق دونوں حُلیے پائے۔ اور مدت تک ان بزرگوں کے چہروں کی طرف دیکھتا رہا۔ اتنا دیکھا اتنا دیکھا کہ میری آنکھیں دُکھنے لگ گئیں۔ چنانچہ اسی حالت میں میں بیدار ہو گیا۔ جب میں جاگا تو حقیقت میں میری آنکھیں درد کر رہی تھیں۔ بیدار ہونے پر میں دل ہی دل میں خوش تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے میری دستگیری فرمائی۔ اور حقیقت مجھ پر کھول دی۔ یہ دسمبر ۱۹۰۷ء کا واقعہ ہے۔ اسی دن میں نے مولوی اللہ دتا صاحب مذکور سے عرض کیا۔ کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ چنانچہ جلسہ کے دن آیا۔ تو ہم دونوں دینا نگر سے بغرض شمولیت جلسہ قادیان آئے۔ رات کو بٹالہ میں مولوی نواب دین صاحب احمدی (جو دینا نگر میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے تھے اور مولوی اللہ دتا صاحب مذکور سے تعارف رکھتے تھے۔) کے گھر میں گیا۔ ماسٹر صاحب موصوف نے ہماری خاطر و تواضع کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ خدا تعالیٰ انکو جزائے خیر دے۔ صبح ہم دونوں یکہ پر سوار ہو کر قادیان میں تقریباً ۹۔۱۰ بجے پہنچے۔ مہمانخانہ کے پاس یکہ پر سے اترے۔ میں نے اُترتے ہی سر پھیرنا شروع کیا۔ میرے ساتھی مجھ سے اس کا سبب پوچھتے۔ میں باتوں باتوں میں ان کو ٹال دیتا۔ لنگر خانہ ان دنوں میں میاں بشیر احمدؐ صاحب کے مکان کے مغربی طرف گلی کے دوسری جانب تھا۔ جہاں کبھی ورؔد صاحب رہا کرتے تھے۔ ہم بھی کھانا کھانے کے لئے لنگر خانہ پہنچے۔ شیخ یعقوب علی صاحب ترؔاب احمدی ان دنوں مہمانوں کو کھانا کھلانے پر مقرر تھے۔ کھانا کھلانے کا دستور جو آجکل ہے اُس وقت نہ تھا۔ بلکہ پچاس ساٹھ آدمیوں کو حسب گنجائش اندر بٹھا دیتے اور باہر کا دروازہ بند کر دیتے۔ چنانچہ ہم دونوں بھی اسی ریلے میں اندر داخل ہوئے۔ کھانا کھانے کے بعد میرے ساتھی مولوی اللہ دتا صاحب مجھے مسجد اقصےٰ میں لیگئے۔ وہ جمعہ کا دن اور جلسہ کا پہلا روز تھا۔ چنانچہ ہم لنگر سے نکل کر چھتی ہوئی گلی میں سے ہوتے ہوئے مسجد اقصےٰ کے شرقی دروازے میں پہنچے۔ وہاں پہنچکر میں نے حسب سابق سر پھیرنا شروع کیا۔ اور میرے ساتھی نے اسکی وجہ دریافت کرنی چاہی۔ مگر میں حسب دستور ان کو باتوں باتوں میں ٹالتا رہا۔ میرے سر پھیرنے سے میرا یہ مطلب تھا۔ کہ خواب میں جو راستہ یا مسجد کا جو دروازہ میں نے دیکھا تھا یہ وہ نہیں۔ میں نے ساتھی مذکور سے دریافت کیا۔ کہ اس مسجد کا کوئی اور دروازہ بھی ہے؟ میرے ساتھی نے مجھے بتایا کہ ایک اور دروازہ شمال کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ مجھے ساتھ لے کر مسجد اقصےٰ کے شمالی دروازہ پر پہنچے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہی چوک، وہی کنواں، وہی ہندوؤں کا شوالہ اور وہی بازار جو قریباً قریباً میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ پایاب سیڑھیاں چڑھکر ہم مسجد میں داخل ہوئے۔ خلقت جمعہ کے انتظار میں مسجد میں موجود تھی۔ مسجد میں بیٹھنے کو ہمیں بوجہ آدمیوں کی کثرت کے بہت پیچھے جگہ ملی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ میرے بائیں طرف میرا ساتھی تھا۔ اور میں اس کے دائیں طرف تھا۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شرقی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوئے۔ اور مسجد کے اندر سے آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ کہ حضور آگے تشریف لے آئیں لیکن حضور میرے دائیں طرف میرے پاس اپنا رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور جمعہ شاید مولوی عبدالکریم صاحب رضؓ یا مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا۔ اور نماز عصر بھی جمعہ کے ساتھ جمع ہو گئی۔ شمالی دروازہ سے چند قدم کے فاصلہ پر میز کرسی لگائی گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریر کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ نے تقریر شروع کی۔ جو غالباً سورۃ الحمد کی تفسیر تھی۔ میں حضور کی میز کے سامنے نزدیک ہی جا بیٹھا۔ حضور تقریر فرما رہے تھے۔ اور میں حضور کے چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔ جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا دیکھتا رہا۔ سورج غروب ہونے کو تھا کہ بیٹھے بیٹھے مجھے رفع حاجت کے لئے معہ اپنے ساتھی کے باہر جانا پڑا۔ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر پھر مسجد میں اسی جگہ جا بیٹھے۔ ابھی حضور کی تقریر جاری تھی۔ اور میں پھر بدستور ٹکٹکی باندھے حضورؐ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ کہ ابھی حضورؑ ولا الضالین تک نہیں پہنچے تھے۔ جب حضور کی تقریر ختم ہوئی۔ تو میری آنکھیں بوجہ حضور کے چہرہ مبارک پر زیادہ ٹکٹکی باندھے رکھنے کے دُکھنے لگیں۔ تقریر ختم ہوئی۔ جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔ مسجد سے نکلکر ہم اپنی فرودگاہ پر واپس آئے۔ ہماری فرودگاہ وہ کمرہ تھا جو آج کل دفتر محاسب ہے۔

یہ ہے مختصر کیفیت میرے احمدی ہونے اور خواب دیکھنے کی۔ اور شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے مجھے احمدیت جیسی نعمت عطا فرمائی۔ اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر (جن کے دیکھنے کو اُمت کے ہزاروں صلحاء و اولیاء کرام حسرت بھرے دل سے اس جہان سے رحلت کر گئے) ہزاروں ہزار درود اور سلام ہوں۔ اور شیخ صاحب مرحوم کو خدا تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور اُن کے لائق فرزند شیخ عبدالحق صاحب کو جو محکمہ [illegible] میں ملازم ہیں اور ان کی اولاد کو [illegible] ۔

دریائے کانگو

دریائے کانگو جس کی لمبائی ۴۲۵۰ کلومیٹر ہے۔ لمبائی کے لحاظ سے دنیا کے سب دریاؤں میں چھٹے درجے پر ہے۔ اور اس کا رقبہ ۳۷ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اور اس لحاظ سے دنیا کے سب دریاؤں سے اول درجہ پر ہے۔ یہ دریا اگر دنیا کے باقی دریاؤں سے عجیب و غریب نہیں تو دلچسپ ضرور ہے۔ اسکے کناروں پر مختلف قسم کی نباتاتی اور حیواناتی پیداوار پائی جاتی ہے۔ یہاں بعض ایسے پودے ہیں جو اپنے رنگ اور بُو کے لحاظ سے بہت عجیب و غریب ہیں۔ اور چرند پرند کا تو کیا کہنا ہے۔ بڑی بڑی ٹانگوں والے لمبی گردن والے خوبصورت پروں والے پرندے پائے جاتے ہیں۔ اور تھوڑے فاصلے پر بڑے بڑے چوپائے ملتے ہیں۔ درختوں کی شاخوں پر سیاہ رنگ کے بندر ملتے ہیں جن کے شور سے تمام فضا گونج رہی ہوتی ہے۔ اور رنگ برنگ کے کئی حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے کچھوؤں اور سانپوں نے بہت سے حصوں کو خطرناک بنا دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ بڑے بڑے ہاتھی ہیں۔ اور گینڈے ہیں۔ اور بہت سے دودھ پلانے والے جانور ہیں۔ جو وہاں پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔

دریا ہر جگہ سے ایک جیسا نہیں اسکے نچلے حصے میں بہت سے جزیرے ہیں جو کہ کسی جگہ سے چھوٹے چھوٹے ہیں اور بعض جگہ بڑے بڑے ہیں۔ اور وہ اصل زمین سے صرف شگافوں کے پڑ جانے کیوجہ سے الگ ہو گئے ہیں۔ پانی بھی سب جگہ ایک جیسا نہیں۔ بعض جگہ یہ بڑا سکون سے چلتا ہے اور بعض جگہ تموج پیدا کرتا ہے۔

ڈیگو کام جو کہ پرتگیز کے شاہ جان دوم کا بحری افسر تھا۔ اس نے ۱۴۸۵ء میں اس دریا کا دہانہ معلوم کیا تھا۔ اس دریا کی جنوبی حد پر اس نے پتھروں کا ایک ٹیلا نصب کیا تھا جسکی وجہ سے کچھ عرصہ تک اسکا نام ٹیلے والا دریا پڑ گیا۔

کانگو سے اکثر ڈر لگتا ہے اسوجہ سے نہیں کہ وہاں کچھوے اور زہریلے سانپ ہوتے ہیں اور نہ اسوجہ سے کہ اس کا پانی بہت تیز چلتا ہے یا اسمیں بہت بھنور ہوتے ہیں بلکہ اس لئے کہ جس جس علاقے سے گذرتا ہے وہاں بہت امراض پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک ملیریا اور دوسری خفیہ متلی ہے۔ خوش قسمتی سے سائنس کے ذریعے بہت سے علاج پیدا ہو چکے ہیں۔ اس لئے لیگ آف نیشنز کمیشن نے تجویز کیا ہے۔ کہ ملیریا سے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ بخار کے موسم میں ۶ گرین روزانہ کونین کھائی جائے۔ اور موسم کے گذر جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہ عمل جاری رہے۔ اور بخار کی حالت میں ۱۵ سے ۲۰ گرین تک کونین ۵ سے ۷ دن تک کھائی جائے۔ باوجود ان تمام خطرات کے جو لوگ اس دریا میں سے سفر کرتے ہیں۔ وہ اس کے قدرتی مناظر کو دیکھ بہت خوش ہوتے ہیں ⁂

دارالامان کی شان

از نتیجۂ فکر مولانا محمد یعقوب صاحب طاؔہر مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل

(۱)

قادیاں دارالاماں جنّت نشاں
تجھ پہ قرباں جان و دل روح وروان
برتر از چرخِ چہارم تیری شاں
تیری عظمت ہو سکے کیونکر بیاں
تُو نے روشن کر دیا کون و مکاں
تُو قلوبِ خلق پر ہے حُکمراں
تجھ پہ ابرِ فضلِ حق سایہ کُناں
مہرباں تجھ پر خدائے دو جہاں
تیرا فیضاں ہے کہ بحرِ بیکراں
تیرا داماں ہے کہ احسانوں کی کاں
تو سماءِ رُشد کا ہے کہکشاں
تجھ میں اُترے پے بہ پے کرّوبیاں
ہیں تری تعریف میں رطب اللساں
اتقیاء و اصفیاء و عارفاں
معرفت کی تجھ میں ہیں کانیں نہاں
عِلم کے دریا ہوئے تجھ سے رواں
ہیں یہاں آتے ہزاروں میہماں
دیکھکر آتی ہے جن کو جاں میں جاں
احمدیّت کے ہیں وہ زندہ نشاں
دم بدم پاتے ہیں وہ فرحت یہاں
دشمنِ دیں میں نہیں تاب و تواں
بال بھر پہنچا سکے تجھکو زیاں
مل گئی تجھکو حیاتِ جاوداں
اور بربادی نصیبِ دشمناں
مہبطِ انوارِ حق تیری زمیں
حُسن سے پُر نور تیرا آسماں
تیری خاکِ پاک میں مدفون ہے
ابنِ مریم ۔ مہدیٔ آخر زماں
تیری عظمت کا زمانہ معترف
رشک تجھ پر کر رہا ہے سب جہاں
محوِ حیرت ہوں کہوں تجھ کو میں کیا
مسکنِ محبوب یا کوئے جناں

تجھ میں بستے ہیں جو فرخندہ نفوس
وہ فرشتے ہیں بشکلِ مومناں
عارفِ قرآں ہیں اصحابِ مسیحؑ
نورِ حق ہے اُن کے چہروں سے عیاں
ہر مبلّغ ہے فقیہ و مجتہد
عِلم و حکمت اس کے سینہ میں نہاں
خدمتِ دیں کے لئے تیّار ہیں
جاں ہتھیلی پر لئے سب نوجواں
کور کے ممبر بھی خدمت کے لئے
بڑھ رہے ہیں چھوڑ کر خوابِ گراں
پنشنر بھی خدمتِ اسلام کو
آ رہے ہیں بن کے پیرِ نکتہ داں
جوشِ ملّت کم نہیں اطفال میں
نیک خُو ہیں سب کے سب خورد و کلاں
عورتیں بھی ہیں فدائی دین کی
ناز اُن پر کر رہا ہے قادیاں
شغل اُن کا دن کو تحصیلِ علوم
رات کو رہتی ہیں وہ سجدہ کُناں
بڑھ رہی ہیں اِتّقا و زُہد میں
ہو رہی ہیں اُن کی ظاہر نیکیاں
پاک ہیں گفتار اور کردار میں
عفّت و عصمت کی ہیں وہ دیویاں
ناصرات الاحمدیت ۔ مرحبا
تم سے ہے قائم بہارِ بوستاں
زندگی کی رُوح تم نے پھونک دی
لڑکیوں میں بن کے دیں کی پاسباں
نام آور تم ہوئیں تحریر میں
کیا عجب ظاہر ہُوا تم سے سماں
الغرض سب مرد و زن برنا و پیر
دینِ حق کے ہیں بہادر پہلواں
گلشنِ احمدؑ میں ہے فصلِ بہار
آ نہیں سکتی کبھی اُس پر خزاں

بادِ صرصر سے تبہ ہو کس طرح
شاخِ طوبےٰ پر ہو جس کا آشیاں

ہے امام اپنا خدا کے فضل سے
نازشِ اسلام و فخرِ عارفاں

اِرتقا کی منزلوں پر گامزن
سُرعتِ رفتار سے ہے کارواں

مرجعِ شاہ و گدا بستی ہے یہ
اس میں پاتے ہیں سبھی آکر اماں

پُرحلاوت ہے بہت ذکرِ حبیب
دل لُبھاتی ہے یہی اِک داستاں

کفر کی ظلمت میں کیوں بیٹھا ہے تُو

کاش ذکرِ احمدِ مختارؑ میں
جسم کا ہر بال - بن جائے زباں

باز آجا اے عدوئے ناشناس
تیری بدبختی ہے دنیا پر عیاں

بُغض و کینہ جو ترے سینہ میں ہے
آتشِ دوزخ ہے وہ شعلہ فشاں

تو یونہی ہے درپئے تخریبِ دیں
کوششیں ہوں گی تری سب رائگاں

الحذر تیرِ دعا سے الحذر
ہاتھ میں رکھتے ہیں ہم بھی اک کماں

چھوڑ کر خورشیدِ حق جلوہ کُناں

(۲)

اے خدا اے چارہ سازِ بیکساں
اے کریم و دستگیر و مہرباں

یہ تمنا ہے مری اے دلستاں
میرا سر ہو اور تیرا آستاں

یاد میں تیری ہو پیارے روز و شب
آنسوؤں کا چشم سے دریا رواں

زندگی دارالاماں میں سب کٹے
اور مدفن بھی یہی ہو قادیاں

مقبرہ میں سو رہے ہیں جو نفوس
جنّتی ہیں سب کے سب جو بیگماں

آرزو ہے بعد مُردن اے خدا
فضل سے تو مجھ کو پہنچادے وہاں

سخت شرمندہ گناہوں سے ہوں میں
اپنی نادانی پہ ہوں گریہ کُناں

جی میں آتا ہے مرے یہ بار بار
کیوں رہا میں مائلِ حُسنِ بُتاں

کیوں نہ محبوبِ ازل کی راہ میں
کر دیا قربان میں نے مال و جاں

زندگی غفلت میں ساری کٹ گئی
عمر میری ہو گئی سب رائگاں

اب مرے پیارے یہی ہے آرزو
تجھ سے کہدوں بر ملا یہ داستاں

میں اپاہج ہوں رہِ تقوےٰ میں آہ
کس طرح کیوں کر چلوں جاؤں کہاں

لڑکھڑاتے ہیں مرے یارب قدم
گُنگ ہے ۔ چلتی نہیں میری زباں

غم مجھے رہتا ہے یہ آٹھوں پہر
لے گیا بازی گروہِ عاشقاں

پی گیا پیالے وہ تیرے وصل کے
رہ گیا اک میں نحیف و ناتواں

کاش میرے حال پر بھی رحم ہو
کاش ستاری ہو وقتِ امتحاں

قرب کی دولت نہ مجھ کو گر ملی
زندگی کا کیا مزہ جانِ جہاں

تیری خوشنودی میسّر ہو اگر
دل پہ ہوں انوار تیرے ضوفشاں

میں یہ سمجھوں گا کہ میں نے پا لیا
گوہرِ مقصود اے شاہِ شہاں

بن ترے جینا عبث ہے دہر میں
فائدہ کیا تو نہ ہو گر مہرباں

حسرتوں کو تو امنگوں میں بدل
رُوح کو کر دے مری تو شادماں

تیری رحمت کا ہوں طالب رات دن
فضل سے کر دے مجھے تُو کامراں

اے خدا در پہ ہوں تیرے میں کھڑا
کر رہا ہوں ہجر میں آہ و فغاں

گر رہی ہیں اے اللہ العالمیں
خرمنِ چین و سکوں پر بجلیاں

حکم فرمائیں تو میں اِک آن میں
جسم کی اپنے اڑا دوں دھجیاں

مجھ کو مل جائے مرے دلدار تُو
تجھ پہ قرباں ہر گھڑی میں خستہ جاں

طاہر

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی تقریب ولیمہ

پر

کارکنان صدر انجمن احمدیہ کا ایڈریس

یہ ایڈریس مکرمی چوہدری ظہور احمد صاحب ہیڈ کلرک نظارت امور خارجہ حال ہیڈ کلرک نظارت تعلیم و تربیت نے صاحبزادہ میرزا مظفر احمد صاحب آئی۔ سی۔ ایس کی تقریب ولیمہ پر پڑھنے کے لئے لکھا تھا مگر جیسے بہت سے ایڈریس پڑھنے سے رہ گئے تھے یہ بھی رہ گیا تھا۔ چونکہ یہ ایڈریس ایک قسم کی تاریخی چیز ہیں۔ اور ان میں اعلیٰ خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس لئے ہم ان میں سے الحکم میں بعض شائع کرنے ضروری خیال کرتا ہوں ÷ ایڈیٹر

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

و

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

ہم کارکنان صدر انجمن احمدیہ نہایت ادب اور مسرت سے اس مبارک تقریب پر آپ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اسی گمنام بستی میں اپنے دعویٰ سے قبل گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور حضور کا تعلق اپنی پہلی حرم سے ایک قسم کے انقطاع کا رنگ اختیار کئے ہوئے تھا۔ آپ کی اولاد بظاہر اس منہج پر قدم زن تھی۔ جو خاندان کے عام افراد کا تھا۔ اور وہ دین کی طرف متوجہ نہ تھے۔ عام حالات کے لحاظ سے کوئی شخص یہ توقع نہ رکھتا تھا۔ کہ اس خاندان کی کایا پلٹ جائے گی۔ اور دنیا کی ہدایت اور روشنی کا مینارہ وہ انسان ثابت ہوگا جس کی طرف کسی کی نظر نہیں۔

پھر وہ وقت آیا کہ حضور نے دعویٰ کیا۔ اور اس دعویٰ پر سنت اللہ کے مطابق آپ کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس وقت خدا نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا۔ الیس اللہ بکاف عبدہٗ اور فرمایا انی معک۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس مشن کو جو آپ کو دیا گیا۔ مدنظر رکھکر آپ کو ذریت طیبہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ اس وقت ایسے اسباب نہ تھے۔ کہ یہ خیال بھی کیا جاتا کہ یہ باتیں پوری ہوں گی۔ مگر خدا کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے گھر کو اپنی نعمتوں سے بھر دیا۔ اولاد عطا فرمائی اور اس اولاد کی اولاد بکثرت عطاء فرمائی۔ اللّٰھم زد فزد۔

پس اب جبکہ ہم حضور کے خاندان میں کسی تقریب کو ظہور پذیر ہوتے دیکھتے ہیں۔ تو ہم کو اپنے رب کے وعدے یاد آجاتے ہیں جس سے ہماری زبانیں اس کی حمد سے رطب اللسان ہو جاتی ہیں۔ اور ہم پکار اٹھتے ہیں۔ کہ کاش وہ لوگ جن کی آنکھیں بصیرت و بصارت کی روشنی سے اندھی ہو چکی ہیں۔ وہ اس سچائی کو دیکھیں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح خدا نے اس درخت کی آبیاری کی جس کو دنیا نے بے کار کر کے چھوڑ رکھا تھا۔

اور اس کو اس قدر بڑھایا۔ کہ اس کی شاخیں اکناف عالم میں پھیل گئیں۔

پس لئے ہمارے آقا! جو کچھ بھی ہم کو حضور کے وجود میں۔ آپ کے بزرگ بھائیوں اور واجب الاحترام ہمشیرگان کی نسل میں نظر آتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اور اسکی برکت اور اس کے وعدے نظر آتے ہیں۔ اس لئے ہم ان تقریبوں کو بھی دینی تقریبیں یقین کرتے ہوئے ان کے متعلق اپنی قلبی عقیدت کو حضور کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور آپ جو حسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظیر ہیں آپکی خدمت میں اور گویا اس طرح سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خدا تعالیٰ کے ان وعدوں کے پورا ہونے پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔ اس مجلس میں بہت سے احباب ایسے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی ابتدائی زندگی کو بھی دیکھا ہے۔ اور اس دن اور آج کے دن کے فرق کو ملاحظہ کیا ہے وہ بیان کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کی کسقدر بارشیں نازل ہو رہی ہیں۔

اسوقت خوشی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ آج کی تقریب میں ایک ایسے صاحب بھی موجود ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس مبارک شادی میں شریک تھے جو سادات کے خاندان میں خدا کیطرف سے مقدر ہو چکی تھی۔ اور جس شادی کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتزوج و یولد لہٗ میں وعدہ فرمایا تھا یعنی مراد جناب لالہ ملاوامل صاحب ہے۔ اور آج پچپن سال کے بعد انکو پھر یہ شرف حاصل ہوا۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پوتے کی شادی میں شامل ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ابھی عمر میں برکت دے تا وہ حضرت مسیح موعود کے خاندان کی مزید خوشیاں بھی دیکھ سکیں۔

الغرض

یہ تقریب اور ایسی تمام تقریبیں جو خاندان سیدنا مسیح موعود علیہ السلام میں سرانجام پاتی ہیں۔ وہ سلسلہ عالیہ کیلئے ایک نشان ہیں۔ اور ہم کارکنان صدر انجمن جنکو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء کے الہام کے ماتحت حضور کے مقاصد کی تکمیل کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے ہم حضور کے سامنے اور حضرت ام المومنین اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور دیگر خاندان نبوت کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں ÷

بقیہ حیات نور کا ایک ورق

صفحہ ۱۲ سے آگے

جو مشکل رہ جائیں گے۔ پھر عام طور پر سناؤ۔ تب خدا تعالیٰ ایسی مدد فرمائے گا۔ کہ مشکلات آسان ہوں گی"۔

یہ حضرت حکیم الامۃ کے اپنے الفاظ ہیں اور آپ نے اپنے ذاتی تجربہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعلیم کئے ہوئے گر پر عمل کرنے کے بعد شہادت دی ہے۔ ان پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی عظمت اور اس کی اشاعت اور تعلیم کا کس قدر جوش آپ کے قلب میں موجود ہے۔ وہ قرآن مجید کے مشکلات کے حل کے لئے تفاسیر اور کتابوں کی طرف نہیں جاتے اور نہیں لے جاتے۔ بلکہ مشکلات قرآن کریم کے حل کے لئے حضرت باری عزاسمہٗ کے ہی دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں۔ اور اسی سے کشود کار چاہتے ہیں۔ بس کے لئے حقیقی سعی اور مجاہدہ فی اللہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی غرض اس پر عمل کرنا اور کرانا ہی مخصوص کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی کے تمام واقعات اور آپ کے ارشادات میں عام اصول یہی نظر آتا ہے۔ اور کبھی اور کسی حال میں آپ نے اس کو ترک نہیں کیا۔ چونکہ اس جگہ فہم قرآن کریم کا ذکر آگیا ہے۔ میں اس کی مناسبت کے لحاظ سے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت حکیم الامۃ نے مختلف اوقات میں قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے جو اصول تعلیم کئے ہوں۔ یا آپ نے قرآن کریم کے بعض مطالب کو جس طرح حل کیا ہو ان سب کو یا جسقدر مجھے مل سکیں یہاں درج کر دوں تاکہ اس سے پڑھنے والوں کو قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے بہت بڑی مدد ملے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ حضرت حکیم الامۃ کی سب سے بڑی خواہش کا پورا کرنا بھی ایک معنوں میں ہوگا ÷

بقیہ صٓ ۲ کالم ۳

اس اندرون خانہ کی بے تکلفانہ حالت کے بے ساختہ لکھے ہوئے ان چند حروف سے جو لطف و سرور مجھے حاصل ہوا ہے۔ اسکا میرے قلب پر ایک خاص اثر ہے۔ جو میرے اپنے نقطۂ نگاہ میں ایک زبردست دلیل کا رنگ رکھتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی انسان کو قلم دیکھنے یا اسکی چلانے یا طرز تحریر دیکھیے کیوا سطے اچانک ہی کوئی عبارت لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تو ایسے وقت میں یا تو وہ کوئی ایسا شعر لکھدیگا جو عام طور پر اسکی زبان پر وقتاً فوقتاً جاری رہتا ہو۔ یا کوئی ایسا مضمون لکھیگا۔ جو ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہوگا۔ یا پھر ہی خیال لکھدیگا۔ جو ہر وقت اسکے دل میں موجزن رہتا ہوگا۔ اور اسی سے اسکے اندرونی مذاق کا پتہ لگ جاویگا لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ ایسے خوش طبعی اور بے تکلفی کے عالم میں اگر کوئی مضمون بلا تصنع اور بے سوچے سمجھے اس خدا کے فرستادہ اور دنیا جہان کی اصلاح کا بیڑا اٹھانیوالے انسان کو سوجھتا ہے تو یہی سوجھتا ہے کہ "انسان کو چاہئیے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اور ہر وقت اس کے حضور دعا کرتا رہے"۔ مقام غور ہے کہ جو انسان دوسروں کیلئے یہ سمجھتا ہو کہ وہ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہیں وہ خود بھی کیوں ہر وقت تقوی اللہ کے لباس میں ملبوس نہ رہتا ہوگا۔ اور جو دوسروں کو خدا کے حضور دعا کرنے کی تلقین کا جوش اپنے دل میں موجزن پاتا ہے۔ اور بمصداق اَلْاِنَاءُ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ یہی مضمون بے ساختہ اس کے قلب کی گہرائیوں سے موج مترشح ہوکر صفحۂ قرطاس پر نمودار ہوتا ہے۔ وہ کسقدر دعاؤں میں منہمک رہتا ہوگا۔ یوں تو لوگوں کے سامنے عام علماء اور صوفیاء ناصحانہ اور واعظانہ رنگ میں جلوہ افروز ہوا ہی کرتے ہیں۔ لیکن عالم خلوت میں انکی اصلی حالت اور طبعی ذوق پورے طور پر آشکارا ہو جاتا ہے لیکن اس خدا کے مامور کی حالت اس لحاظ سے بھی نرالی ہی شان رکھتی ہے۔ اور اسے جس رنگ میں اور جس حالت میں دیکھا اور پرکھا جاوے۔ اسکی سچائی اور صفائی اور اخلاص ہی دوبالا ہو کر چمکتے ہیں۔ ان میں ریا اور تصنع اور بناوٹ قطعاً نہیں آسکتے۔ کیونکہ انکی نگاہ میں سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی ہستی قابل التفات ہی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام افعال اور حرکات ان کی سچائی پر شاہد ناطق ہوتے ہیں ع کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے ÷ خاکسار محمد عبداللہ عفی عنہ احمدی بوتالوی ثم قادیانی ریٹائرڈ ہیڈ منشی محکمہ نہر ÷

حیدرآباد میں احمدیت کی ابتدائی تاریخ

حضرت مولوی سید عبدالرحیم کٹکی رضی اللہ عنہ کا مقام اشاعت احمدیت میں

جناب سید عبدالحکیم صاحب کٹکی کے قلم سے

یہ مضمون حیدرآباد نمبر میں شائع ہونے کیلئے آیا تھا۔ مگر اب حیدرآباد نمبر کا سوال ایک غیر معیّن عرصہ کے لئے ملتوی ہو چکا ہے۔ اس لئے میں اس مضمون کو الحکم کی عام اشاعت میں شائع کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ (ایڈیٹر)

معزز الحکم نے حیدرآباد نمبر نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور یہ اسی کا حق ہے۔ کیونکہ حیدرآباد سے پہلی کتاب احمدیت کی تائید و اشاعت میں الحکم کے ادارہ سے شائع ہوئی ہے۔ اور ٹائٹل پیج پر حضرت عرفانی کبیر (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کا نام نامی معہ تخلص کے بحیثیت پبلشر ثبت ہے۔

خاکسار کے دل میں ایڈیٹر صاحب الحکم کے اعلان کو پڑھ کر یہ تحریک ہوئی۔ کہ حیدرآباد دکن میں اشاعت احمدیت کے ابتدائی حالات جو میرے چشمدید ہیں حوالہ تاریخ کر دوں۔ اور اس طرح ایک قومی اور تاریخی شہادت کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جاؤں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ جماعت حیدرآباد کے موجودہ افراد میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ابتدائی حالات کا چشم دید گواہ ہو۔ نہ اس وقت کے بزرگوں میں سے کوئی زندہ ہیں۔ نہ آثار باقی ہیں۔ شاید ایک دوست سید محمد صاحب رضوی (جو بعد میں نواب رضوی کہلائے اور اس وقت ہائی کورٹ کے وکیل تھے۔ اور ماما جمیلہ کی پھاٹک کے پاس رہتے تھے)

لعنۃ اللہ علی الکاذبین کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں حالات لکھنا شروع کرتا ہوں۔ لیکن قبل از شروع یہ عرض کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ بعض جزئیات اور تفاصیل اور اسماء مقام و اشخاص اور تاریخ و ایام واقعہ کے متعلق مجھ سے فروگذاشت ہو جائے۔ کیونکہ یہ باتیں بہت پرانی ہیں۔ اور میرے عنفوان شباب کے وقت کی ہیں۔ کہ اس وقت انسان کسی دوسرے نشہ میں متوالا رہتا ہے۔ اور میں بھی اپنی جانب سے کوشش کروں گا۔ کہ جزئیات میں نہ پڑوں۔ شروع میں ناظرین کچھ غیر متعلق باتیں ملاحظہ فرمائیں گے۔ التجا ہے کہ اُکتا نہ جائیں۔ ان باتوں میں علاوہ سبق آموزی کے اصل تذکرہ کے ساتھ تعلق بھی ہے۔

رمضان شریف عجیب اتفاق ہے کہ میرے والد ماجد حضرت مولوی سید عبدالرحیم صاحب کٹکی پر احمدیت کی صداقت کا انکشاف ہوا رمضان شریف میں۔ احمدیت کے جرم پر وہ ملازمت سے برطرف کر دئے گئے اسی رمضان میں۔ اور یہ خاکسار ان کی سوانح عمری کا ایک ضروری باب لکھ رہا ہے رمضان ہی میں۔

میرے والد مولوی سید عبدالرحیم صاحب اڑیسہ کے ایک ضلع کٹک کے دیہات میں رہنے والے تھے۔ حیدرآباد دکن کا شہرہ سنکر تکمیل تحصیل کے لئے پا پیادہ اپنی ماں سے چھپ کر بھری جوانی میں جبکہ ان کو شادی کئے پورا برس بھی نہیں گذرا تھا چل پڑے اور کئی مہینوں میں حیدرآباد پہنچے۔ اس وقت ریل کلکتہ اور مدراس کے درمیان نہیں تھی۔

حیدرآباد دکن پہنچ کر مدرسہ محبوبیہ میں داخل ہوئے۔ جو طلباء کی رہائش اور خورش کا کفیل تھا۔ یہیں ان کی شناسائی حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ جو ان سے اونچی جماعت میں پڑھتے تھے۔ رفتہ رفتہ حضرت میر صاحب کے مکان پر آنا جانا ہوتا رہا۔ وہاں حضرت میر صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالعزیز قدس سرہ العزیز سے انکو بے حد عقیدت اور محبت پیدا ہو گئی۔ اور جب کبھی فرصت ملتی آپ حضرت مولانا عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی صحبت میں جا پہنچتے۔ حضرت کے متعلق مختلف باتیں مشہور تھیں۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت لیتے تھے مریدوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ آپ کو دست غیب آتا ہے۔ کوئی کہتا کہ آپ سرکار انگریزی کے جاسوس ہیں۔ بہر حال کچھ تو ہم مکتبی اور کچھ باپ کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنے کی وجہ سے اور کچھ بار بار آنے جانے کی وجہ سے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب اور حضرت میر محمد سعید صاحب میں اخلاص اور یکجہتی پیدا ہو گئی۔ اور حضرت مولانا کے میرے والد پر گوناگون احسان ہیں۔ اگرچہ کہ میرے والد کی غیور طبیعت نے مالی احسان سے حتے الامکان پہلوتہی کی ہے۔ لیکن ایک غریب الوطن مفلس کے ساتھ شہر کا رہنے والا فیاض بہت طرح کے سلوک اور ہمدردی کر سکتا ہے۔ جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔

یہ ساری باتیں میں نے اپنے والد مرحوم سے سنی ہیں۔ اب چشمدید حالات بیان کرتا ہوں اور اسی قدر جن کا براہ راست احمدیت سے تعلق ہے۔

والد مرحوم مدرسہ محبوبیہ سے دستار بندی کے بعد وطن کو واپس ہونے کے لئے سرمایہ کی فکر میں پڑے۔ اور ادِھر اُدھر ٹیوشن کرنے لگے۔ فارسی کی تکمیل تو انہوں نے وطن ہی میں کر لی تھی۔ وہی اُن کے کام آئی۔ ڈاکٹر رگھوناتھ جو بنگال کے رہنے والے تھے۔ اور ریاست حیدرآباد میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ اُن سے فارسی پڑھتے تھے۔ اور چونکہ یہ غریب الوطن تھے اپنی ہی کوٹھی میں ان کو جگہ دی تھی۔ (ڈاکٹر رگھوناتھ کے متعلق ایک دوست نے سنایا کہ مسز سروجنی نائیڈو کے باپ وہی ہیں)

کچھ عرصہ بعد والد مرحوم کی ملازمت سر آسمانجاہ کے پائیگاہ میں ہو گئی۔ پہلے چٹگوپہ کے صدر مدرس ہوئے۔ اور پھر اکھیلی کو تبادلہ ہو گیا۔ کیونکہ چٹگوپہ کے لوگوں نے تعزیہ اور مولود خوانی اور دوسری بدعات کے خلاف آواز اٹھانے پر والد صاحب کے خلاف درخواستیں دی تھیں۔ اکھیلی آکر بھی وہی شورش ساتھ رہی۔ حکام کی شہ پاکر عوام نے اتہامات اور الزامات کا طوفان برپا کیا۔ مولوی حسین عطار اللہ صاحب جو سر آسمانجاہ کی پائیگاہ میں مجلس معتمدین کے میر مجلس تھے۔ والد مرحوم سے واقف اور ان پر نیک گمان رکھتے تھے۔ ان کو جب یہ رپورٹ پہنچی۔ کہ لوگ درپئے ایذا ہیں۔ اور شورش بڑھ گئی ہے۔ تحقیقات کے بہانے ان کو حیدرآباد بلا لیا۔

بلدہ جانیسے پہلے عجیب لطیفہ ہوا۔ والد مرحوم مجھے بخاری پڑھا رہے تھے (صرف ترجمہ کروایا کرتے تھے) کہ ایک ملاقاتی رحمت اللہ نامی نے اُن سے کہا کہ کلیانی میں ایک افسر ہیں وہ کہتے ہیں کہ پنجاب میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ والد مرحوم نے ہنس کر کہا کہ بالکل فضول بات ہے۔ انہوں نے زیادہ زور دیا۔ تو والد صاحب مرحوم نے کہا۔ کہ اچھا میں حیدرآباد سے آجاؤں اس کے متعلق ایک مضمون لکھ دوں گا۔ ادھر ہدایت اور مشیت دونوں کی دونوں ہنستی تھیں۔ کہ تم کو بلدہ کو

بتایا جاتا ہے اسی لئے کہ اسی پنجابی کا بندۂ بے دام بنا کر راحتِ دوام سے سرفراز کیا جائے۔ یہ سنہ ۱۹۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔

بلدہ پہنچ کر آپ حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب رضی اللہ عنہ کے گھر فروکش ہوئے۔ رمضان شریف کے دن تھے۔ دن بھر والد صاحب کچہری میں رہتے۔ اور رات کو حضرت میر صاحب سے صحبت رہتی۔ ایک دن حضرت میر صاحب رضؓ نے فرمایا۔ کہ پنجاب میں ایک فقیر منش آدمی پیدا ہوا ہے۔ اس کا دعوے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ والد صاحب نے کہا کہ بالکل فضول اور بیکار بات ہے۔ تمام مسلمانوں کا عقیدہ حیات کا ہے۔ یہ وفات کہاں سے نکالتے ہیں۔ ان گمراہوں کی بات سننا ہی نہیں چاہیئے۔ والد مرحوم دینی معاملات میں نہایت سخت گیر اور جلد مشتعل ہونے والے تھے۔ لیکن دنیاوی امور میں ان سے بڑھ کر سادہ لوح شاید ہی کوئی ہو۔ اس کے برخلاف حضرت قبلہ میر صاحب نہایت حلیم الطبع اور باوقار اور نہایت سنجیدہ اور زیرک تھے۔ دینی امور میں اُن کے حلم اور خاموشی کو کبھی کبھی والد مرحوم مداہنت پر محمول کرتے تھے۔

حضرت میر صاحب قبلہ نے مجھے سنایا۔ کہ جب تمہارے والد سے میں نے یہ تذکرہ کیا۔ تو وہ نہایت حقارت اور انکار کے ساتھ ان باتوں کو سننا بھی نہیں چاہتے تھے۔ میں نے بمشکل ان کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ کہنے والا جو کہتا ہے اُسے پہلے دیکھ تو لو۔ پھر پیچھے جو چاہو سو کہنا۔ والد مرحوم راضی ہوگئے۔ اور کہا کہ اچھا ہوگا۔ جس مضمون کا وعدہ میں نے رحمت اللہ صاحب سے کیا ہے اس کے لئے مواد مل جائے گا۔ فریق مخالف کے خیالات اور دلائل معلوم ہو جائیں گے۔

رات کو نماز عشاء کے بعد حضرت مولوی محمد سعید صاحب نے ازالہ اوہام پڑھکر سنانا شروع کیا۔ (والد مرحوم کو بھی دوران سر اور کثرت بول کی شکایت تھی اس لئے رات کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔) حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ازالہ اوہام کے شروع میں تو مولوی صاحب (میرے والد مرحوم) کچھ کچھ لڑتے جھگڑتے رہے۔ جلد اول کے ختم ہوتے ہوتے بالکل چپ ہو گئے۔ اور جب ؎ "جائیکہ از مسیح و نزولش سخن رود" شروع ہوا تو پھر زار زار رونے لگے۔ خصوصاً اس شعر پر ؎

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت میر صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ ازالہ اوہام ختم بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ مولوی صاحب لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھے اور مجھے (حضرت میر صاحب) کہنے کہ مولوی صاحب اب دیر کیا ہے۔ حق ظاہر ہو گیا۔ میں کہتا کہ جلدی ٹھیک نہیں۔ اور کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ غور کرنا چاہیئے۔ دعا کرنی چاہیئے۔ چنانچہ دوسری کتابوں کی تلاش ہوئی۔

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے پتہ بتلایا کہ آپ کے (والد مرحوم) ایک پیر بھائی سید محمد صاحب رضوی (میرے والد اور رضوی صاحب دونو مولوی حسن زمان صاحب کے مُرید تھے) ان کے پاس کچھ کتابیں ہیں۔ آپ اُن سے مل کر کتابیں حاصل کریں۔ چنانچہ والد مرحوم کے بیدھڑک شوق نے ان کو رضوی صاحب کے گھر پہنچایا۔ پہلے سے کچھ جان پہچان نہیں تھی۔ رسمی تعارف کے بعد بغیر کسی توطیہ و تمہید کے کتابیں مانگیں۔ رضوی صاحب بھونچکے ہوگئے۔ کہ آپ کو کیسے پتہ لگا۔ مختصر یہ کہ رازداری کا پختہ وعدہ لے کر توضیح مرام و فتح اسلام کتابیں چھپا کر دیں۔ رضوی صاحب روشن خیال آدمی ہیں۔ اور ہر قسم کی کتابیں اُن کے کتب خانہ میں تھیں کہیں اشتہار دیکھ کر وہ کتابیں منگوالی ہوں گی۔ توضیح مرام اور فتح اسلام کے بعد حضرت مولوی عبدالرحیم رضی اللہ عنہ اب آتش بدامن تھے۔ وہ کسی کی سننے والے نہ تھے حضرت میر صاحب اور مولوی رضوی صاحب تو ان کے ہمخیال تھے انہوں نے مولوی سید امین اللہ کو تاکا۔

مولوی سید امین اللہ مرحوم میرے رشتہ کے چچا تھے حیدر آباد میں محکمہ پولیس میں منشی تھے۔ اور حافظ لطف اللہ وکیل کے گھر ٹیوشن کرتے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین اور فنِ مناظرہ میں طاق۔ فارسی اور عربی کی استعداد اچھی تھی۔

حضرت میر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں بھائی (میرے والد اور مولوی امین اللہ مرحومین) مرغوں کی طرح لڑا کرتے تھے۔ بالآخر مولوی امین اللہ مرحوم بھی رام ہوئے۔ اور اس طرح حضرت میر صاحب اور مولوی سید محمد رضوی صاحب کے عقیدہ کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اُٹھی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ حضرات قائل ہو چکے تھے لیکن اظہار کی جرأت نہیں تھی۔

اسی اثناء میں والد مرحوم کا مقدمہ بھی فیصلہ ہو گیا۔ اور ان کو باعزت اپنی جگہ پر پانچ روپیہ کی ترقی کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔ حضرت میر صاحب رضؓ نے والد مرحوم کے پاس لکھا۔ کہ سترہ یا اٹھارہ (مجھے یاد نہیں رہا) لوگوں کی بیعت کا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔ والد مرحوم نے اپنے ساتھ میرا نام بھی لکھا دیا تھا۔ واضح ہو کہ اس وقت تک حیدر آباد میں جماعت قائم نہیں ہوئی تھی۔ نہ حضرت میر صاحب اور نہ رضوی صاحب کسی نے بیعت کی تھی۔ وہ لوگ تحقیقات میں لگے تھے۔ اس وقت میرے خیال اور اندازہ میں حیدر آباد دکن بلکہ ساری قلمرو میں صرف احمدی تھا (جن کا نام نامی حضرت میر مردان علی صاحب رضی اللہ عنہ تھا یہ بزرگ ۳۱۳ میں شامل ہیں۔ میں انکو احمدیت سے بے تعلق سمجھتا تھا۔ کبھی جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک دو بار والد مرحوم کے ساتھ میں اُن کے مکان پر گیا ہوں۔ جو چنچل یا چادر گھاٹ میں تھا۔ جس دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر آئی ہے۔ اور سارے احباب حضرت میر صاحب کے مکان میں (جو پرانے پل کے نیچے والے محلہ میں تھا۔ اور جو طغیانی میں بھر گیا تھا) جمع ہوئے۔ حضرت میر مردان علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تھے۔ اس دن میں نے دیکھا۔ کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس قدر عشق ہے۔ میں نے کسی باپ کو اپنے اکلوتے جوان بیٹے کے مرنے پر بھی اتنا روتے نہیں دیکھا۔ حضرت مولوی ابو الحمید صاحب مرحوم بھی زار قطار روتے تھے۔ چہرہ بالکل سُرخ ہو گیا تھا۔

اب ناظرین فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت مولوی عبدالرحیم کٹکی رضی اللہ عنہ کا مقام حیدر آباد کی اشاعتِ احمدیت میں کیا ہے۔ ہم تو ان کو بانیٔ جماعت اڑیسہ و بانیٔ جماعت دکن کہتے ہیں۔

الدلیل المحکم حیدر آباد سے اپنے مستقر پر جا کر والد مرحوم نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام الدلیل المحکم علیٰ وفات المسیح ابن مریم۔ اس کا مسودہ حضرت میر صاحب قبلہ کے پاس حیدر آباد بھیجا گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ کن وجوہ کی بناء پر اُسے بجائے حیدر آباد کے مطابع کے الحکم کے مطبع میں چھپوایا گیا۔ اور یہ پہلا لٹریچر تھا احمدیت کا جو دکن سے شائع ہوا۔ اس کے بعد اور بھی چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور رسالے مرحوم کے قلم سے نکلتے رہے۔ ایک رسالہ "صدریہ" لکھا۔ جس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل دئے

معزولی الدلیل المحکم کا شائع ہونا تھا کہ مخالفین کے کیمپ میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ فوراً ایک جلد مولوی حسین عطاء اللہ صاحب میر مجلس کے پاس بھیجدی۔ اور بتلایا۔ کہ جسے آپ عالم باعمل سمجھتے تھے وہ یہ ہے مولوی حسین عطاء اللہ صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ نہ کیفیت طلب کی۔ نہ کچھ تحقیقات کی۔ ایک دم سے معزولی کا حکم صادر فرما دیا۔ والد مرحوم کو پھر حیدر آباد آنا پڑا مہینہ بھر کے بعد مجھے بھی بلدہ میں بلا لیا۔ ہمارے محسن رضوی صاحب کی کوشش سے والد مرحوم کو وکیل سلطان محمود صاحب کے پاس ٹیوشن مل گئی۔ ہم دونوں باپ بیٹوں کی رہائش اور خورش کے علاوہ دس روپے کلدار ملا کرتے تھے۔ وہ روپے وطن کو بھیجدئے جاتے تھے۔ ہمارے لئے پورا ایک سال سخت تکلیف کا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ میری والدہ ان دس روپوں میں اپنا اور چھ بچوں کا خرچ کس طرح چلاتی ہونگی۔ ایک برس کی تگ و دو کے بعد انکی بحالی ہوئی اور پانچ روپے کی تخفیف کے ساتھ بلدہ کے دفتر میں محاربیہ نویس مقرر ہوئے۔ مجھے دارالعلوم میں داخل کر دیا گیا۔ چھ سات سال بلدہ کی جماعت کے سرگرم کارکن اور گرمجوش مناظر رہے۔ طغیانی کے بعد گھر آئے۔ اور پھر واپسی کا نام نہیں لیا۔

اب میں تاریخ احمدیت کے اس مقام پر آگیا ہوں کہ جس کے عینی گواہ بہت ملیں گے۔ اس لئے مرادر وے سخن گفتن نہ شاید اس کے بعد میں بھی سنہ ۱۹۱۱ء میں بھونگیر اور نلگنڈہ میں دو تین سال ملازمت کر کے اپنے وطن کو واپس ہوا۔ اور یہیں ملازمت خدا نے عنایت کر دی۔ مجھے حیدر آباد کا حال بس اُتنا ہی معلوم ہے جتنا کہ اخبار الفضل میں شائع ہوتا ہے۔

حسن اتفاق کہئے یا احمدیت کی کرامت۔ کہ میری ملاقات بھائی عبدالسبحان سے کتاب گھر قادیان میں ہو گئی۔ یہ بھائی بھونگیر میں میرے خواجہ تاش اور ایک ہی مدرسہ میں مدرس اور ایک ہی میس میں ہمطعام تھے۔ اور غیر احمدی تھے۔ کسی قدر تعصب بھی تھا۔ اور کسی حیدر آبادی بھائی سے کبھی ملاقات نہیں مم

مم نہیں ہوئی۔ اس عروس البلاد کی محبت میرے رگ و ریشہ میں پیوست ہے۔ میں بچہ سے جوان ہوا وہیں پر۔ اللہ تعالٰے ان سبھوں پر فضل فرماوے۔ آمین

حیاتِ نور کا ایک ورق

(حضرت عرفانی کبیر کے قلم سے)

الحکم نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے متعلق ہمیشہ یہ طریق رکھا ہے۔ کہ انکی سیرت کے متعلق کچھ نہ کچھ شائع کیا جائے۔ اس قسم کے مضامین علی العموم حضرت عرفانی کبیر کے قلم سے لکھے ہوتے ہیں۔ آج بھی ہم حضرت نورالدین اعظم کی سیرت کا ایک پہلو قارئین الحکم کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اس مضمون کا تھوڑا سا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے۔ اور باقی کا ویسے ہی پڑا تھا۔ ترتیب اور واقفیت عامہ کے لئے از سر نو سارا مضمون شائع کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ احباب اس مضمون کو پڑھکر بہت محظوظ ہونگے۔ (ایڈیٹر)

قرآن کریم

قرآن مجید کی عظمت اور اسکے حقائق و معارف کا بیان جو نورالدین اعظم کی زبان سے ہؤا۔ وہ اس مقام پر بیان کرنا میرا مقصود نہیں۔ اور نہ یہ مختصر کتاب اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ جہاں تک مجھ سے ہؤا۔ میں نے آپکے درس قرآن کریم سے لئے ہوئے نوٹوں کی بناء پر تفسیر القرآن اور ترجمۃ القرآن لکھکر اس کا نمونہ دکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ مکمل ہو جاوے ورنہ جس قدر بھی ہو گیا ہے۔ وہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ بعض دوسرے احباب نے بھی اس راہ میں قدم اٹھایا اور آپکے درس قرآن کریم کے نوٹوں کو مرتب کر کے شائع کر دیا اللہ تعالےٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

اس حصہ کتاب میں میں بعض خاص خاص امور کا ذکر کروں گا۔ جس سے معلوم ہوگا۔ کہ نورالدین اعظم کتاب اللہ کو کس کس رنگ سے پڑھتا تھا۔ اور اس کا فطرتی ذوق کن بلند پروازیوں سے حصہ لیتا تھا۔ ابتداً میرا ارادہ تھا کہ میں اس کو قرآن مجید کی ترتیب کے لحاظ سے لکھتا۔ لیکن اس کام کو کسی دوسرے کے لئے چھوڑ کر میں مجموعی طور پر بلا لحاظ کسی ترتیب کے لکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

قرآن مجید سائنس کیطرف متوجہ کرتا ہے ۸ مارچ ۱۹۱۲ء کے درس میں فرمایا:۔

ہماری کتاب (یہ محبت اور پیار اور شدت تعلق قرآن مجید کے لحاظ سے بولا ہے) بڑی عجیب ہے۔ ہماری کیا؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی۔

دنیا کی کوئی کتاب نہیں جو سائنس کی طرف توجہ دلاتی ہو۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فی خلق السمٰوٰت اس میں آسمان کی بناوٹ کا ذکر ہے والارض پھر زمین کے بارہ میں سارا علم جیالوجی داخل کر دیا۔ واختلاف الیل والنھار میں جغرافیہ آ جاتا ہے۔ والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس۔ اس میں سٹیمر۔ جہاز۔ قطب شمالی کی سوئی۔ سمندر۔ پانی۔ ہوا اور کشتیوں کا علم آ جاتا ہے۔ وما انزل من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا۔ اس میں بخارات اور بارشوں اور نباتات کا علم آ جاتا ہے۔ وبثّ فیھا من کل دآبۃٍ اس میں علم الحیوانات آ جاتا ہے۔ وتصریف الریاح اس میں ہوا اور ہوا کی قسموں کا ذکر ہے۔ کاربانک۔ ہائڈروجن وغیرہ موٹی موٹی چیزیں ہیں۔ علاوہ ان کے اور بھی ہوا میں کئی اجزاء ہیں۔ والسحاب المسخر بین السماء والارض۔ بادوں میں روشنی لچک۔ ایتھر کا کارخانہ الگ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری کتاب کسی علم سے نہیں ڈرتی۔ لآیات لقوم یعقلون۔ اس میں نشان نہیں مگر عقلمندوں کیلئے۔ وہ کون لوگ ہیں۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم اس میں ابھی مجھے ایک لطیفہ خیال میں آیا۔

قرآن خود انتخاب ہے ۲۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کو فرمایا۔ ایک دفعہ میرا جی چاہا۔ کہ قرآن کریم کے حاشیہ پر اس کی منتخب یادداشتیں لکھوں۔ میرے دماغ کو شعر سے تو کچھ نسبت نہیں ایک روز جمعہ کے دن بڑے زور مار مار کر تین شعر لکھے تھے حالانکہ اس وقت میرے اندر ایک کیفیت بھی موجود تھی۔ مگر جب قرآن کریم کے انتخاب کے لئے قلم اٹھایا تو مجھ کو یہ شعر یاد آ گیا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجاست

میں نے قلم کو توڑ دیا۔ سیاہی کو الٹ دیا اور کہا کہ اے قلم تو بھی جھوٹا ہے اور دوات تو بھی جھوٹی ہے۔ کیا قرآن کریم کا انتخاب لکھنا چاہتے ہو یہ خود سارے کا سارا انتخاب ہے۔

قرآن میں کوئی ایسا امر نہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہو ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے قرآن شریف کو اس نیت سے بھی پڑھا ہے۔ کہ کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے۔ جو ہماری طاقت سے باہر ہو۔ تو معلوم ہؤا کہ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ شروع ہی میں اھدنا الصراط المستقیم لکھا ہؤا ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی ہے نہ زیادتی۔ یہ ایک راہ ہے جیسے دو نقطوں کے درمیان ایک سیدھا خط ہوتا ہے۔ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ جو اس سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسی پاک و مطہر تعلیم کے ہوتے ہوئے نیچے گر گئے اور بعض اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرنا چاہتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی صداقت کا ایک ثبوت سچائی اپنے انوار و برکات سے ثبوت دیتی رہتی ہے۔ سچائی کا ایک نشان یہ بھی ہے۔ کہ جوں جوں اس پر اعتراضات کئے جاویں اس کا ہی صدق کھلتا رہے۔ قرآن مجید کی صداقت پر ضمیر انسانی گواہ ہے۔ پھر فطرت سلیمہ۔ تجارب کتب سابقہ۔ تمام قوموں کا عملدرآمد۔ غور سے دیکھو تو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ قرآن مجید کی چند آیات کا ترجمہ ہے۔ پھر صحابہ کی بزرگی قرآن مجید کی صداقت پر زندہ گواہ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام بحیثیت تاریخی انسان ہونے کے کسی تاریخ میں نہ پاؤ گے۔ مگر اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قوم صدیقی کہلاتی ہے۔ اور دنیا کے ہر حصہ میں موجود اور معزز و محترم ہے۔

قرآنِ مجید میں تجارت و زراعت کا مقابلہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو فرمایا۔ میں نے قرآن شریف میں تدبر کیا ہے۔ اور ایسی آیات کو جمع کیا ہے جن میں زراعت یا تجارت کا ذکر ہو۔ پھر ہر دو کو بالمقابل دیکھنے سے مجھ پر ثابت ہؤا ہے۔ کہ قرآن شریف نے

تجارت کے پیشہ کو زراعت پر ترجیح دی ہے

قرآن کریم کا اسلوب بیان لطیف ہے (۷ جولائی ۱۹۰۹ء) فرمایا قرآن کریم میں خاص مسئلہ کے ساتھ ایک عام بات نصیحت کی بھی ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جسے اس خاص مسئلہ کی ضرورت نہیں وہ بھی قرآن شریف سمجھنے میں دلچسپی لے سکے۔ مثلاً طلاق کے مسئلہ میں فرمایا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ فقہاء کے باب کی طرح نہیں کہ ایک ہی مسئلہ چلا جاوے۔ اور کسی مسافر یا غیر مسلم وغیرہ کو کسی قسم کی نصیحت حاصل نہ ہو۔

قرآن کریم کے متعلق اپنے علیٰ وجہ البصیرۃ ایمان کا اعلان یوں تو قرآن کریم کے متعلق آپنے لاانتہاء مرتبہ اپنے ایمان کا ایک سرور اور ذوق کے ساتھ اظہار فرمایا۔ آپ کی خوشی اور مسرت ایسی پاک کتاب کی تعلیم و تدریس اور اشاعت میں تھی۔ مگر ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ پر آپ نے ایک تقریر کے دوران میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

"میں نے وید کو سنا ہے اور احتیاط سے سنا ہے اتھروید کے سوا تینوں وید سنے ہیں۔ اوستا۔ ژند اور دساتیر کو پڑھا ہے اور سنا ہے۔ گاتھ جو مجوسیوں کی کتاب ہے اُسے بھی احتیاط سے سنا ہے۔ پھر اس کے بعد میں نے قرآن کریم کو پڑھا ہے۔ تمہیں تعجب ہوگا۔ کہ جب فطرت سے قرآن سے محبت ہوئی۔ تو شیعوں کی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ ایک کتاب چار سو روپیہ کو آتی ہے۔ بحار الانوار نام اور عربی میں ہے۔ میرے دل میں ہے کہ اُسے بھی منگوا کر پڑھوں۔ میں نے انکی مستند اور معتبر کتابوں کو منگوایا اور پڑھا ہے۔ اور میرے پاس وہ ہیں۔ میرے نزدیک ان کی یہ کتابیں معتبر معلوم ہوتی ہیں۔ چار ان کی مسلم ہیں کافی ہے تہذیب ہے استبصار اور من لا یحضر۔ مجمع البیان طبرسی اور نہج البلاغۃ جناب امیر کے خطبات ہیں۔ ان کے مدمقابل خوارج ہیں۔ ان کی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ ایک ۹۲ جلد میں ہے۔ اور میرے پاس ہے۔ غرض ان کتابوں کو اس وسعت سے دیکھا ہے۔ پھر سُنیوں میں مذاہب اربعہ۔ صوفیوں اور محدثین کا مذہب پڑھا ہے۔ اور ان سب کو پڑھ لینے کے بعد میں ایماناً کہتا ہوں۔ اور کھول کر سناتا ہوں۔ اور یہ

اس لئے کہ میں نہیں جانتا کہ آئندہ ہم سے کون ہوگا اور کون نہیں۔ مجھے کچھ کہنے کا اور تمہیں کچھ سننے کا موقع ملے یا نہیں۔ اس لئے سنو اور غور سے سنو۔ کہ اس **تحقیقات اور تجربہ کے بعد میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں۔**

کہ قرآن کریم جیسی کوئی نعمت اور کتاب نہیں

جو خدا تعالیٰ کی کامل کتاب ہے اور تمام اختلافات مٹانے کا کامل ذریعہ ہے۔ اور وہ خود اختلافات کا باعث نہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں اس شہادت کو بھی علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ

بعد کتاب اللہ بخاری جیسی بھی کوئی کتاب نہیں۔"

سب سے بڑی خواہش راقم (عرفانی) نے ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ کہ آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ فرمایا مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ

قرآن مجید عملی طور پر کُل دنیا کا دستور العمل ہو

میں نے یہ سوال آپ کے ایام علالت میں کیا تھا اور میں **ایوان خلافت** کے تحت ان امور کو شائع کر دیا کرتا تھا۔ آپکے اس جواب سے پایا جاتا ہے۔ کہ آپ کیا چاہتے تھے۔ سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ **قرآن مجید** دنیا کا دستور العمل ہو جاوے۔ اس سے قرآن مجید کی **اشاعت** اور **خدمت** کے لئے جو جوش آپکے دل میں تھا وہ ظاہر ہے۔

اولاد کے متعلق خواہش انسان اپنی اولاد کیلئے دنیا میں بہت بڑی امنگیں اور آرزوئیں رکھتا ہے۔ اور وہ اسکی فطرت کا ایک صحیح تقاضا ہوتا ہے۔ خصوصاً جو اولاد بڑھاپے میں ہو۔ اس کے متعلق اسکی آرزوؤں کا سلسلہ نہایت عجیب ہوتا ہے مگر حضرت حکیم الامۃ کی اپنی اولاد کے متعلق کیا آرزو اور کیا تمنا تھی۔ وہ اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے جو عزیز مکرم مولوی **عبدالحی** مرحوم کی تقریب آمین پر پیش آیا۔ عزیز **عبدالحی** نے قرآن مجید ختم کیا اسکی آمین ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسوقت باغ میں مقیم تھے حضرت حکیم الامۃ کو طبعی طور پر بڑی خوشی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ بچہ ہشیار ہو گیا ہے یا تعلیم کیطرف توجہ کرنے لگا ہے۔ بلکہ

محض اس لئے کہ اس نے خدا کی کتاب پڑھی ہے

جب عزیز **عبدالحی** قرآن شریف ختم کرکے آیا تو اُسے فرمایا کہ

بیٹا! ہم تم سے دس باتیں چاہتے ہیں ان میں سے ۱/۲ آج تم نے کر لی ہیں۔ وہ باتیں کیا ہیں؟

(۱) قرآن شریف پڑھو (۲) **پھر** آکر یاد کرو (۳) **پھر** اس کا ترجمہ پڑھو (۴) پھر اس پر **عمل** کرو (۵) **پھر** اسی عمل میں تمہیں موت آجاوے (۶) قرآن شریف پڑھاؤ (۷) پھر یاد کراؤ (۸) پھر ترجمہ سناؤ (۹) **پھر عمل** کراؤ (۱۰) **پھر اسی حالت میں تم کو موت آجاوے۔**

ان **ہدایات عشرہ** پر غور کرو انہیں وہ **راز سربستہ** موجود ہے۔ جو آپ اپنی اولاد کے متعلق آرزوؤں اور تمناؤں کی انتہا کا رکھتے ہیں۔ دنیا کی کسی کامیابی اور **ترقی** کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک اور صرف ایک ہی خواہش ہے کہ

قرآن شریف کا فہم اسپر عمل اور اسکی خدمت و اشاعت

تمہارا نصب العین ہو۔ اور جب ہم آپکی ذاتی خواہش سے اسے ملاتے ہیں۔ تو وہ بھی یہی ہے۔ کہ قرآن مجید عملی طور پر دنیا کا **دستور العمل** ہو۔

امۃ الحی مرحومہ کو انعام کی شرط سیدہ امۃ الحی مرحومہ حضرت نور الدین اعظم کی دوسری اور موجودہ بیوی کی بڑی لڑکی تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی آپکی لڑکی فوت ہو چکی تھی۔ بچوں سے **محبت** یا ان کی خوشیوں سے لطف اُٹھانا جائز اور طبعی امر ہے۔ مگر حضرت نور الدین اعظم کی خوشیوں کا رنگ اور اسباب اور ہوتے تھے۔ پہلی لڑکی کے دوسو روپیہ کے سونے کے کڑے تھے۔ اس کے فوت ہو جانے پر وہ روپیہ آپنے والدہ **امۃ الحی** کی خواہش کے مطابق کسی تاجر کو دیدیا۔ مگر وہ روپیہ پورا نہ ملا۔ **امۃ الحی** مرحومہ کو آپنے فرمایا۔ "کہ اگر تم سورۃ بقرہ ہماری منشاء کے مطابق ہمکو سنا دو۔ تو ہم **تمکو سردست دوسو روپیہ بطور انعام دیں گے**۔ لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا نہ ہو یہ دوسو روپیہ کسی کے ابتلا کا موجب ہو۔ میں نے اس روپیہ کے دینے میں تامل کیا۔ مگر آج رات مجھے انشراح صدر سے یہ ثابت ہوا کہ ایسے ابتلا آتے ہی ہیں۔ اور آئیں گے۔ **پس ہم اس پاک انعام کے دینے سے کیوں تامل کریں**۔ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ انعام عنقریب اُسے دے ہی دینگے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ سامان کر دیا۔ کہ حکیم فضل الدین (مرحوم۔ عرفانی) نے مجھے کہا کہ آپکے دوسو دس (۲۱۰) روپے میرے ذمہ ہیں عنقریب دے دوں گا۔"

یہ واقعہ اپنے اندر بعض دوسرے امور پر بھی روشنی ڈالتا ہے ان کا یہ محل نہیں۔ میں نے اس کو صرف یہ دکھانے کے لئے لکھا ہے کہ آپکی خوشی **قرآن مجید** کی **تعلیم** و اشاعت میں تھی۔ اپنی **اولاد** کے متعلق جو آرزوئیں اور خواہشیں آپکی تھیں وہ بھی **قرآن مجید** ہی کے مرکز اور محور کے گرد گھومتی ہیں۔ لڑکیوں کو زیور پسند ہوتا ہے۔ اس لئے **امۃ الحی** مرحومہ کو قرآن مجید کا شوق دلانے کے لئے صرف **سورۃ بقرہ** کے لئے **دوسو روپیہ** کا انعام مقرر کر دیا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات ہیں۔ کہ اس نے اس رقم کے لئے سامان بھی کر دیئے اور حکیم فضل الدین صاحب مرحوم نے آپ کی ایک رقم کے عنقریب ادا کر دینے کا اظہار فرمایا۔

قرآن کریم کے فہم کے بعض گر "قرآن کریم کے ترجمہ کرنے میں اول خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور قرآن شریف کے لفظوں کو مقدم کر لیا کرو۔ قرآن شریف کے سمجھنے کے لئے قرآن شریف ہی کو پڑھو۔ اسکی آیات دوسری جگہ متواتر معنی بیان کرتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ قرآن مجید جب ایک بات کہتا ہے تو بیس (۲۰) مقامات تک بھی اس کی تشریح کرتا ہے۔ دس جگہ اور سات (۷) جگہ تو عام ہے۔ کیونکہ سات کا عدد بھی کامل ہے۔ بعض آیات ایسی بھی ہیں کہ میں اُن پر **سالہا سال غور کرتا رہا**۔ کہ قرآن شریف میں کہاں تشریح کی ہے اور پتہ نہ چلا۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ سو سو جگہ تک بیان کیا ہے۔

پھر اس کے بعد دوسرا ذریعہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد میں دیکھو۔ وہاں بھی قرآن کریم کی تفسیر ملیگی۔ مثلاً **صلوٰۃ** اور **زکوٰۃ** کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد تمہیں بتائیگا کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ ہمارے بعض دوستوں کو بھی اس قسم کا ابتلا آیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ قرآن شریف میں **نماز**۔ حج وغیرہ دکھاؤ۔ میں نے کہا۔ کہ پہلے **گھوڑے۔ خچر** میں امتیاز بتاؤ۔ پھر **البغال والحمیر** میں تفرقہ کرکے دکھاؤ۔ میں نے ان کے لئے بہت دعا کی۔ اور خدا تعالیٰ نے انکو سمجھ اور یہ ابتلا جاتا رہا۔ میں نے کہا کہ جب تم بغال اور حمیر میں فرق کرنے کیلئے انکو دیکھتے ہو۔ تو کیوں اس شخص کی نماز نہیں دیکھتے جس پر قرآن نازل ہوا۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ کہ اگر قرآن مجید میں صلوٰۃ کی تمیز ہوتی۔ تو وہ بھی عربی میں ہوتی۔ پھر ان لفظوں کے کئی کئی معنے کرتے۔ اور کسقدر مشکلات پیدا ہوتیں۔ پس ہمارے مولیٰ نے **کامل رحم** اور **فضل** سے نماز پڑھوا کر دکھا دی۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی نے دیکھ لی۔ حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ اور مجوس نے بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لی۔ اب کسی اور معنی کی ضرورت نہیں۔ تقدیم۔ تاخیر نہ کنایہ نہ حذف و محذوف کی۔

گجرات کے ضلع میں **دنہ شاہی** ایک قوم ہے۔ وہ **کام** (شہوت) **کرودھ** (غضب) **لوبھ** (حرص) **موہ** (بے جا محبت) **ہنکار** (غرور) کو چھوڑنے کا نام نماز رکھتے ہیں۔ یہاں ایک **گلو** سقہ ہے (اب مر چکا ہے۔ عرفانی) جب وہ جماعت میں نہ تھا تو کہتا تھا کہ یہ خود مشارہ ہے سر گنبد ہے۔ اور آپ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس قسم کی بیہودہ توجیہیں پیدا کر لی جاتی ہیں۔ مسلمانوں پر یہ دکھ اور مصیبت کا وقت ہے۔ ایسے وقت میں یاد رکھو کہ

قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد سے کرو۔

اور پھر **تمام اُمت میں مشترکہ رنگ میں دیکھ لو۔**

پھر احادیث صحیحہ کو پڑھو۔ ایک بڑی گندی قوم گذری ہے۔ جو احادیث کا انکار کرتی ہے۔ ایک نے یہ گندہ لفظ کہا۔ کہ **رواۃ احادیث شیاطین ہیں۔ وہ نہیں مریگا جب تک خود شیطان نہ بن لے**۔ وہ لوگ بڑے ہی محروم ہیں جو اس علم حدیث سے محروم ہیں میں بچپن سے ۷۵-۷۶ سال کی عمر تک پہنچا ہوں۔ اور میرا تجربہ ہے کہ **علم حدیث کے بغیر دین آتا ہی نہیں۔** تم ہی بتاؤ۔ جس نے علم حدیث پڑھا ہے۔ اس کی گواہی حدیث کے متعلق ماننی چاہیئے یا اسکی جس نے یہ علم پڑھا ہی نہیں۔

پھر کوئی آیت سمجھ میں نہ آئے تو اس طریق سے کام لو اور جناب الٰہی میں گر پڑو۔ کہ تیری کتاب ہے میری سمجھ میں یہ آیت نہیں آتی۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ اور منتظر رہو کہ کب انکشاف ہو جاتا ہے۔ کیا میں نے اس موقعہ پر اپنے خیال کو ترجیح دی ہے یا کسی تفسیر کی سپارش کی ہے؟ بلکہ یہ چوتھا مرتبہ بتایا ہے کہ قلب مطہر لیکر جناب الٰہی میں گر جاؤ۔ یہ اصول ہیں فہم قرآن کیلئے۔"

فہم قرآن کریم کے چودہ اصول ایک دوسرے موقعہ پر (نورالدین) میں آپ نے فہم قرآن کریم کے حسب ذیل چودہ اصول تحریر فرمائے ہیں۔

اوّل۔ دُعا۔ جناب الٰہی سے صحیح فہم اور حقیقی علم طلب کرنا۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ قل ربِّ زدنی علماً (اے میرے رب میرے علم میں ترقی بخش)

دوم۔ صرف الٰہی رضامندی اور حق تک پہنچنے کیلئے خدا میں ہو کر کوشش کرنا۔ جیسے فرمایا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا۔

سوم۔ تدبّر۔ تفکّر۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے افلا یتدبرون القراٰن ام علیٰ قلوبھم اقفالھا اور فرمایا لاٰیات لاولی الالباب۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً وعلی جنوبھم۔

چہارم۔ حُسن اعتقاد و حُسن اقوال و حُسن اعمال اور فقر۔ بیماری۔ مقدمات اور مشکلات میں صبر و استقلال اس مجموعہ کو قرآن کریم نے **تقویٰ** کہا ہے۔ تقوی کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔ اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ۔ لیکن خود پسند آدمی آیات الٰہی کے سمجھنے میں قاصر ہے۔ جیسے فرمایا۔ ساصرف عن اٰیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔

پنجم۔ قرآن مجید کے معانی خود قرآن مجید اور فرقان حمید میں دیکھے جاویں۔

ششم۔ اسمار الٰہیہ اور الٰہی تقدس و تنزیہہ کے خلاف کسی لفظ کے معنے نہ لئے جاویں۔

ہفتم۔ تعامل سے جس کا نام سنّت ہے معانی لے اور اس سے باہر نہ نکلے۔

ہشتم۔ سُنن الٰہیہ ثابتہ کی خلاف ورزی نہ کرے۔

نہم۔ لغت عرب و محاورات ثابتہ عن العرب کے خلاف نہو۔

دہم۔ عرف عام سے جسکو معروف کہتے ہیں معانی باہر نہ نکلیں۔

یازدہم۔ نور قلب کے خلاف نہ ہوں۔

دوازدہم۔ احادیث صحیحہ ثابتہ کے خلاف نہ ہوں۔

سیزدہم۔ کتب سابقہ کے ذریعہ بھی بعض معانی حل کئے جا سکتے ہیں۔

چہاردہم۔ کسی وحی الٰہی اور الہام صحیح کے ذریعہ بھی معانیٔ قرآن حل ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قرآن مجید کے حل کا گُر سیکھا میں نے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامۃ سے دریافت کیا۔ کہ کیا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی آیت پوچھی ہے اگر پوچھی ہے تو کونسی؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے قرآن کریم کی کوئی خاص آیت حضرت صاحب سے نہیں پوچھی۔ بلکہ ایک ایسا گُر پوچھا ہے جس سے قرآن مجید کی کوئی آیت بھی مشکل نہ رہے۔ میں ایک مرتبہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ میں ان ایام میں **فصل الخطاب** لکھ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ بعض اوقات مخالفین اسلام ایسا اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا تحقیقی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ یا تو ایسے خیالات کو چھوڑ دیا جائے اور یا ان کا الزامی جواب دیدیا جائے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میں تو اسکو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ جس چیز کو انسان کا اپنا ایمان خود نہیں مانتا پھر وہ دوسروں سے منوانے کا کیا حق رکھتا ہے۔

فرمایا حضرت صاحب کی اس بات نے مجھے یقین دلا دیا۔ اور میرا ایمان بہت بڑھ گیا۔ کہ یہ شخص فی الواقعہ خدا تعالیٰ **کا مامور اور مرسل ہے**۔ کیونکہ اس کی فطرت اور اس کا ایمان ایسا ہے کہ جس کو یہ خود نہیں مانتا دوسروں سے اس کو منوانا نہیں چاہتا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اتنا بڑا دعویٰ یونہی کر دے۔ غرض مجھے حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میں آپکو ایک ایسا گُر بتا دیتا ہوں کہ

"کوئی آیت آپ کیلئے مشکل ہی نہ رہے

اور وہ یہ ہے کہ جو اعتراض آپ کے خیال میں نہایت مشکل ہو یا جس آیت پر شرح صدر نہ ہو۔ اس کو موٹی قلم سے لکھ کر ایسی جگہ لٹکا لو جہاں آتے جاتے آپکی نظر ہر وقت پڑ سکے۔ چند روز کے اندر اندر اللہ تعالیٰ اس اعتراض کی حقیقت اور جواب سمجھا دیگا۔"

حضرت صاحب کے اس گُر کو میں صوفیانہ رنگ میں لے گیا۔ اور میں نے یہ قرار دیا کہ سب سے بہتر جگہ جہاں انسان کی ہر وقت نظر پڑ سکے وہ دل ہے۔ پس میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اگر کوئی ایسا موقعہ ہو تو

اسے ہر وقت دل میں زیر توجہ رکھنا چاہیئے

اور میں نے دیکھا ہے کہ ایسا کرنے سے بڑا مشکل سے مشکل مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہری طور پر اگر اپنی آمد و رفت کے عام منظر میں لکھکر لٹکا لیا جاوے تو بھی ضرور مفید ہوتا ہے۔ پس اسی ایک نکتہ سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے **بشارت** دی۔ کہ اگر کوئی دشمنِ اسلام **قرآن کریم یا نبی کریم** صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی اعتراض کرے اور تم کو اس کا جواب نہ آتا ہو۔ تو ہم فوراً سکھا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی اس بشارت نے بہت موقعوں پر میری تائید فرمائی ہے۔ غرض میں نے حضرت صاحب سے یہ گُر سیکھ لیا تھا اور اسی کو سب کے واسطے مفید سمجھتا ہوں۔

قرآن کریم کے سمجھنے کیلئے ذاتی نسخہ مجرّب قرآن کریم کے سمجھنے کا ایک میرا تجربہ کردہ نسخہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اوّل قرآن مجید کو عمل کے لئے پڑھو دوم جو آیات قرآن کریم کی مشکل معلوم ہوں۔ انکو ایک کاپی پر لکھتے جاؤ۔ جب سارا قرآن ایک بار ختم ہو جائے۔ پھر گھر والوں کو سناؤ۔ اس دوسرے دور میں قرآن مجید کے ان مشکل مقامات میں سے جو تم نے نوٹ کئے ہوں بہت سے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ پھر تیسرے دور میں بیرونی لوگوں کو شامل کر لو۔ اس مرتبہ اور بھی کم مقامات ہونگے

بقیہ بر صفحہ ۷ کالم ۳

وصیتیں

نمبر ۵۳۸۰ منکہ حیات محمد ولد سیدا قوم آہن گر پلیٹ ساز عمر ۶۱ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۵ء ساکن ڈیرہ والہ چیمہ ڈاکخانہ جاکے ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۳۹ بحسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جو جائداد ہے وہ مکان سکونتی و خراس وغیرہ پانصد روپیہ کی ہے۔ اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ میرے مرنے کے بعد ۵۰ روپے میرے ورثا ادا کر دینگے۔ اور جو روپیہ میں اپنی زندگی میں ادا کر دونگا۔ وہ منہا کر لیا جائیگا۔ اور میں انشاء اللہ کوشش کر کے پچاس روپے ساتھ ساتھ ادا کرتا رہوں گا۔ اور جو آمدن مجھے خراس یا پلیٹ وغیرہ کی ہے اسکی جو آمد ہوگی اس میں سے میرے بیٹے کا نصف حصہ کا مگر باقی کے دسواں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو قریباً اخراجات نکال کر دس روپے سالانہ بجیت حصہ میں آئیگی۔ مجھے ایک صد روپیہ کی آمد ہوگی۔ جس کا دسواں حصہ قریباً دس روپے ہوگا۔ جو میں انشاء اللہ ادا کرتا رہونگا۔ اگر آمدن کم یا زیادہ ہوگی تو اسکے موافق عمل کروں گا۔ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی ایسی جائیداد ثابت ہو جسکا ۱/۱۰ حصہ وصیت میں نہ دیا گیا ہو۔ اس کا صدر انجمن احمدیہ کو حق ہوگا۔ کہ وہ میرے وارثوں سے وصول کر لے۔

العبد:۔ حیات محمد صحابی مستری پلیٹ ساز۔

گواہ شد:۔ محمد ابراہیم احمدی ولد حیات محمد موصی۔

گواہ شد:۔ عبد اللہ احمدی

نمبر ۵۳۸۵ منکہ فضل اقبال زوجہ حکیم محمد علی قوم راجپوت پیشہ زمیندارہ عمر ۵۴ سال پیدائشی احمدی ساکن سلیم پور پکا ڈاکخانہ مانگٹ والا براستہ ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴/۳۹ بحسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد حق مہر ہے جو میں نے اپنے خاوند سے تین صد روپیہ بذریعہ زیورات وغیرہ وصول کر لیا ہے۔ اس تین صد روپیہ میں سے ۱/۳ حصہ میں وصیت کرتی ہوں۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی اور جائداد ثابت ہو جاوے تو صدر انجمن احمدیہ کا حق ہوگا کہ میرے لواحقین سے وصول کرے۔

الامۃ:۔ فضل اقبال بیگم۔ نشان انگوٹھا

گواہ شد:۔ محمد علی خاوند موصیہ۔

گواہ شد:۔ سید ولایت شاہ احمدی عفی عنہ امیر جماعت احمدیہ شاہ مسکین

نمبر ۵۳۷۹ منکہ غلام فاطمہ زوجہ ابراہیم قوم گوجر کھٹانہ پیشہ زمیندارہ عمر ۳۴ سال پیدائشی احمدی ساکن اسماعیلہ ڈاکخانہ بہار گھٹیور ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶/۴/۳۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ مبلغ یکصد روپیہ بصورت حق مہر زیور جملہ دوصد روپیہ کل رقم تین صد روپیہ کے ۱/۳ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے سوا بوقت وفات اگر کوئی اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہوگی۔ تو اس کے ۱/۳ حصہ کی مالک صدر انجمن مذکور ہوگی۔

الامۃ:۔ نشان انگوٹھا فاطمہ بنت حضرت مولوی فضل دین صاحب مرحوم کھاریاں

گواہ شد: سلطان احمد سکرٹری انجمن احمدیہ اسماعیلہ۔

گواہ شد:۔ بشیر احمد پسر موصیہ۔

نوٹ:۔ مبلغ یکصد روپیہ جو ۱/۳ حصہ کی وجہ سے مجھے دینا فرض ہے اپنی زندگی میں ادا کر دوں گی۔ اگر خدانخواستہ زندگی میں ادا نہ کر سکی۔ تو میرا خاوند یا بیٹے ذمہ وار ہونگے

بقلم ابراہیم خاوند موصیہ